اہل حدیث اور مروجہ فقہی مذاہب

حقیقت میں اہل حدیث کی دعوت عام اور جامع ہے۔اس میں مذاہب اربعہ اور دیگر ائمہ اجتہاد کے فقہی مساعی بھی شامل ہیں۔اس دعوت کا مقصد یہ ہےکہ ان مقدس مساعی کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔اور انھیں کتاب اللہ اور سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔اور ان اختلافات کی تطبیق اور ترجیح کے وقت ائمہ سلف کی روش کو سامنے رکھا جائے۔مروجہ فقہوں سے اہل حدیث کو جزوی طور پر یقیناً اختلاف ہے۔لیکن ائمہ اجتہاد کے علوم و آثار سے تحقیقی استفادہ تحریک کا اساسی مقصد ہے۔یعنی فقہی جزیئات کا ترک یا اختیار علم و بصیرت کی بنا پر عمل میں آئے۔اس کے باوجود ان مختلف نظریات کو گوارا کرنا اور آئمہ کے علوم کا احترام اور ان سے استفادہ اس تحریک کی روح ہے۔ا

مروجہ مذاہب کی فقہ ہماری ہیں۔ہم بلا تخصیص وقت کے تقاضوں اور اپنے فہم کے مطابق قرآن وسنت کی رہنمائی میں ان پر عمل کرتے ہیں۔ان سے مسائل انتخاب کرتے ہیں۔ ایک فقہ کا تعین اصل مرض ہے۔جس نے تقلید کی بندشوں کو مضبوط کیا اور فکر و نظر فہم و شعور کے دروازوں کو مقفل کیا۔

(شیخ الحدیث مولانا محمّد اسمٰعیل سلفی، گوجرانوالہ بحوالہ:
اخبار الاعتصام 3 جون 1973ء)

بدل اشتراک......فی شمارہ: 15 روپے • سالانہ: 150 روپے

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو۔ ایل. بی. ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.

Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org •aljamaahmonthly@gmail.com

نگارشات

حلقۂ قرآن	درس قرآن	محمد ایوب اثری	3
اداریہ	دینی فتنے: اور جماعت اہل حدیث کے بعض افراد	محمد مقیم فیضی	5
ایمانیات	قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات	ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی	21
عقیدہ ومنہج	اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ہر جگہ نہیں	محمد مقیم فیضی	27
بحث وتحقیق	تین طلاق سے متعلق خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ...	کفایت اللہ سنابلی	30
احکام شریعت	ماہ شعبان: فضائل وبدعات	ابوابراہیم کمال الدین سنابلی	35
خصوصی مضمون	مسلم پرسنل لاء بورڈ یا مسلک پرسنل لاء بورڈ	سرفراز فیضی	40
احکام شریعت	فقہ وفتاویٰ	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	43
آئینۂ جمعیت وجماعت	جماعتی خبریں	دفتر صوبائی جمعیت	44
حلقۂ ادب	ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!	عبدالواحد انور یوسفی الاثری	47

حلقۂ قرآن

درس قرآن

محمد ایوب اثری

(وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ ز فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ)(آل عمران:۱۸۷)

ترجمہ: اور اللہ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔

تشریح: اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کو زجر وتوبیخ کی جارہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا کہ کتاب الٰہی (تورات اور انجیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبی ﷺ کی جو صفات ہیں انہیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انہیں چھپائیں گے نہیں لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کیلئے اللہ کے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ گویا اہل علم کو تلقین وتنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے جس سے لوگوں کے ''عقائد واعمال'' کی اصلاح ہوسکتی ہو وہ لوگوں تک ضرور پہونچانا چاہئے اور دنیوی اغراض ومفادات کی خاطر ان کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے قیامت کے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔(احسن البیان)

قارئین کرام: اللہ کے نبی ﷺ نے ایک حدیث کے ذریعہ اپنی امت کو آگاہ فرمایا کہ تم لوگ ضرور بالضرور ان کے نقش قدم پر چلو گے بالشت در بالشت اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی ایسا ضرور کروگے تو صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ نہیں ہیں تو اور کون ہے؟ مذکورہ آیت کریمہ اور اس حدیث پاک کی روشنی میں اگر ہم موازنہ کریں تو ذرہ برابر فرق نظر نہیں آئے گا دین اور شریعت کے بارے میں جس طریقے سے یہود ونصاریٰ نے کیا آج وہی عمل امت محمدیہ کے وہ افراد انجام دے رہے ہیں جنہیں لوگ معاشرہ اور سوسائٹی میں عالم ومفتی کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں آج ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' اور ''بلغوا عنی ولو آیۃ'' کے تحت ہماری یہ ذمہ داری تھی کہ شریعت کا جتنا علم قرآن وسنت کی روشنی میں ہمارے پاس ہے اسے بلاکم وکاست اللہ کے بندوں اور امت کے سامنے پیش کردیتے لیکن یہود ونصاریٰ کی روش کو اپناتے ہوئے ہم نے ان چیزوں کو بیان کیا یا امت کے سامنے پیش کیا جو ہماری خواہشات کے مطابق تھیں اور ان چیزوں کو عوام سے چھپایا (حالانکہ وہ اسلام کی اصل تعلیمات تھیں) جو ان کی خواہشات نفس کے آڑے آرہی تھیں۔

اسلام ایک آفاقی وابدی دین ہے جس نے شریعت کے ہر ہر مسئلے کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کردیا ہے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اس نے اس کی مکمل رہنمائی نہ کی ہو۔ لیکن بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دین کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جس کے تعلق سے آج امت مسلمہ اختلاف وانتشار کا شکار نہ ہو مثال کے طور پر بروقت طلاق ثلاثہ ہی کا مسئلہ لے لیجئے

جوحکومت اور مسلمانوں کے بیچ میں انتہائی اہمیت کا حامل بنا ہوا ہے کیا قرآن وسنت میں اس مسئلے کی وضاحت وصراحت موجود نہیں ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد سے آج تک امت اس مسئلے میں الجھی ہوئی ہے اور اپنے تو اپنے غیر بھی جنہیں استنجاء کرنے کا صحیح طریقہ معلوم نہیں وہ بھی آج اسلام کی تشریح اور وکالت کرنے کیلئے میدان میں کود پڑے ہیں جبکہ اللہ نے قرآن میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث صحیحہ کے ذریعہ بڑے ہی پیارے اور آسان اسلوب میں نکاح اور طلاق کے مسائل کو واضح کر دیا ہے۔ الحمدللہ اسلام کے اصولوں کے مطابق دو اجنبی مرد وعورت ولی، مہر، ایجاب وقبول اور گواہان کے ذریعہ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوکر ایک خوشگوار زندگی گزارنے لگتے ہیں لیکن اگر کسی ناچاقی کی بنیاد پر دونوں کی زندگی اجیرن ہورہی ہو اور اسلام کے بتلائے ہوئے اصولوں کو اپنانے کی بنیاد پر بھی صلح وصفائی اور خوش گوار زندگی کے آثار نظر آتے دکھائی نہ دیتے ہوں تو ایسی شکل میں اسلام نے شوہر کو طلاق کے ذریعہ اپنی بیوی کو الگ کرنے کا حکم دیا ہے ان الفاظ کے ساتھ: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (ابوداؤد کتاب الطلاق) کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے، گویا یہ بات ظاہر ہوئی کہ اگرچہ اسلام میں طلاق کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن یہ نہایت ہی قبیح اور برا عمل ہے۔

اسلام کا یہ نظام جن لوگوں کے سمجھ میں نہیں آتا ہے وہ لوگ اس (طلاق) کو عورت کے حق میں زیادتی تصور کرتے ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ اسلام نے جس طرح مرد کو طلاق دینے کا حق دیا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ اگر شوہر حقوق زوجیت کو ادا نہ کرے یا اس کے ساتھ رہنے میں عورت کو غیر معمولی نقصان محسوس ہورہا ہو یا باہمی تعلقات میں ناخوشگواری ناقابل برداشت ہو تو ایسی صورت میں وہ قاضی سے مطالبہ کرکے اپنے شوہر سے طلاق حاصل کرسکتی ہے جس کو شریعت میں ''خلع'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے اوچھے اعتراضات اور دیگر اسلام کی صاف ستھری تعلیمات کے خلاف اعتراضات کا موقع انہیں آخر کس نے فراہم کیا ہے اتنی بڑی جسارت وہمت صرف اور صرف علماء سوء ہی کرسکتے ہیں علماء ربانی کا وطیرہ قطعاً یہ نہیں ہوسکتا۔

اگر ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو بسر وچشم قبول کیا ہوتا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت کو آخری عدالت سمجھے ہوتے تو آج نہ ہم رسوا ہوتے اور نہ ہی اسلام کی غلط تشریح وتعبیر دوسروں تک جاتی۔

اسی طریقے سے سورہ فاطر میں اللہ نے فرمایا: (ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا..الخ) (فاطر: ۳۲) پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ کتاب سے مراد ''قرآن'' اور چنے ہوئے بندوں سے مراد ''امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے یعنی اسی قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو بنایا ہے جسے ہم نے دوسری امتوں کے مقابلے میں چن لیا اور اسے شرف وفضل سے نوازا۔

لیکن اسی امت کے ایک طبقے نے اللہ کے کلام (قرآن مجید) کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو یہود ونصاریٰ نے اپنی کتاب کے ساتھ کیا تھا بقول علامہ اقبال ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کی روش اپنانے سے بچائے اور اسلام کے بتلائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین) ❖ ❖ ❖

[۳]

اداریہ

دینی فتنے
اور جماعت اہل حدیث کے بعض افراد

محمد مقیم فیضی

اپنے موقف کے مطابق ہم اس موضوع پر جو رقیہ (جھاڑ پھونک) کو پیشہ بنانے اوراس کے لئے سینٹر قائم کرنے کے متعلق ہے تیسری قسط پیش کرنے جارہے ہیں۔جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس پر بحث کا سلسلہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے دعاۃ کی تقریروں اورتحریروں پر شروع ہوا جن میں ان کا ہدف نہ کوئی خاص شخصیت تھی نہ کوئی خاص سینٹر بلکہ مقصد صرف منکرات اور مخالفات کی نشاندہی اور اپنے فہم کے مطابق شریعت کا حکم بتانا تھا۔مگراس پر جو ردعمل کا سلسلہ شروع ہوا وہ بہت تکلیف دہ شکل اختیار کرتا جارہا ہے،جن علماء اور بزرگوں سے توقع تھی کہ وہ اس سلسلے میں اپنا ناصحانہ کردار ادا کریں گے اور اپنے علمی وقار کے مطابق بحث کوایک اچھا رخ دیں گے اوراس موضوع سے متعلق مفاسد ومنکرات کا جائزہ لے کران کے خاتمے کی کوشش فرمائیں گے،نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں ہمیں اور جماعت کے سبھی لوگوں کو جو ان سے ایک سنجیدہ اقدام اور رہنمائی کے منتظر تھے بڑی مایوسی ہوئی اور اس سلسلے میں بعض مشاہیر اہل علم کی طرف سے جو رویہ اپنایا گیااور گفتگو میں جولب ولہجہ اختیار کیا گیا وہ بہت ہی تکلیف دہ اور خود ان کی شان سے فروتر تھا۔اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی کی ذاتی حمایت ومخالفت سے بالاتر ہوکرنفس مسئلہ پر دلائل کے ساتھ گفتگو کی جائے۔اس لئے تمام اہل علم سے ہماری گزارش ہے کہ وہ الفاظ کا انتخاب بہت احتیاط کے ساتھ فرمائیں اور کچھ مفید باتیں منظر عام پر لائیں۔وجزاهم الله خیرا۔

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ حفظہ اللہ کے خطاب کے چند اقتباسات:

ذیل میں موضوع سے متعلق ایک اہم تقریر کے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔یہ تقریر شیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ کی ہے جوسعودی عرب میں وزیر برائے مذہبی امور رہ چکے ہیں اس تقریر کا عنوان تھا:''الرقی و احکامها''اور جہاں یہ تقریر ہوئی اس مجلس میں بطور سرپرست مفتی اعظم سعودی عرب علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ موجود تھے اور انھوں نے وزیر محترم کی اس تقریر پر اپنا جامع تبصرہ بھی کیا تھا،ہم نے وزیر موصوف کی تقریر میں سے چیدہ چیدہ اقتباسات لئے ہیں،اسی طرح شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے تبصرے میں سے بھی کچھ اہم باتیں نقل کی ہیں۔ایک خاص بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ شیخ صالح نے رقیہ کو پیشہ بنانے کی مخالفت کی ہےاوراس کا دروازہ بند کردینے پر زور دیا ہے مگر شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے ان کی مخالفت کی نہ ان کی اس بات پر کوئی تبصرہ کیا ہے بلکہ انھوں نے اس کے وزن کومحسوس کرتے ہوئے اس پر خاموشی اختیار کی ہے جبکہ شیخ ابن باز کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جس بات کے مخالف ہوتے تھے اس کا برملا اظہار فرماتے تھے۔

فرماتے ہیں: رقیہ کرنے والوں کی مخالفتیں:(یعنی اصولی یا

شرعی مخالفتیں) ان میں سب سے بڑی مخالفت تو یہ ہے کہ قرأت اور رقیہ (جھاڑ پھونک) کو پیشہ بنا کر اس کے لئے کامل طور پر فارغ ہو رہنا، اور یہ بات معلوم ہے کہ لوگوں کو تو رقیہ (جھاڑ پھونک) کی حاجت رہتی ہی ہے، مگر اسی کے لئے فارغ ہو رہنا نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے دور میں صحابہ کرام کا طریقہ نہیں رہا ہے، حالانکہ رقیہ کر دینے والے ان میں بھی موجود تھے مگر (اسی کا ہو رہنے والا کام) صحابہ اور تابعین کا طریقہ نہیں رہا ہے، یہ روش متاخر زمانوں میں شروع ہوئی ہے، سلف صالحین کا جو طریقہ رہا ہے، اور سنت جس پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائیوں کو نفع پہنچا دے اس کے لئے چاہے کچھ معاوضہ بھی لے لے یا بلا معاوضہ ہی یہ کام کر دے، مگر اسی کے لئے فارغ ہو کر نہ بیٹھ جائے کہ بالکل ایسے ہی اس کو اپنا پیشہ بنا لے جیسے طبیب (علاج کے لئے) فارغ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس کا یہ پہلو تو اس اعتبار سے ہے کہ حاجت اور ضرورت کے پائے جانے کے باوجود پہلے زمانے میں یہ صورت موجود نہیں تھی۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم نے دیکھا کہ جو لوگ اس کام کے لئے فارغ ہو کر بیٹھ گئے انھوں نے اپنی فراغت کی وجہ سے بہت سی ممنوع چیزوں کا ارتکاب شروع کر دیا، جو لوگ رقیہ ہی کے کام پر لگ جاتے ہیں ان کے یہاں آپ کو بہت سی مخالفتیں ملیں گی، کیونکہ ایسے لوگوں کو کچھ کاموں کے کرنے کی اور کچھ کو ترک کرنے کی حاجت پیش آنے لگتی ہے، انھوں نے بلا برہان کچھ چیزیں بھی فروخت کر دیں، کچھ لوگوں نے کیسٹوں کے ذریعہ رقیہ کیا، آوازوں کا ذریعہ اپنایا کہ رقیہ کرنے والا ایک کمرے میں پڑھ رہا ہوتا ہے اور دوسرے کمروں میں لوگوں کے کانوں میں ائیر فون لگے ہوتے ہیں، اسی طرح کی حرکتیں ہوتی ہیں جو وارد شدہ طریقے کی مخالف ہوتی ہیں، اسے سد ذریعہ کے طور پر بند کر دینا چاہیے؛ کیونکہ اس کی وجہ سے یہ لوگ مذموم چیزوں کی طرف جا سکتے ہیں، ان قراء کا توسع انہیں ناجائز امور کی طرف لے جا سکتا ہے، یا وہ ایسی باتوں کا ارتکاب کر سکتے ہیں جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔

ان (رقیہ پڑھنے والے) قراء میں ایک مخالفت اور بھی پائی جاتی ہے اور یہ پہلے سے بھی زیادہ سنگین ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ اپنے قرین (ساتھی) جن سے کام لیتے ہیں، اور وہ لوگ اس ضمن میں ایک شبہ بھی لاتے ہیں جو ان میں سے کچھ لوگوں میں چل بھی پڑا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم تو مسلمان جن سے یا اپنے مسلمان قرین سے مدد لیتے ہیں، میں تو حاضری کے وقت مسلم جنوں یا اپنے قرین سے مرقی (یعنی مریض) کے حالات جاننے کے لئے مدد لیتا ہوں کہ آیا اسے نظر لگی ہے؟ یا جادو ہے؟ یا اس کے اندر ایسا اور ویسا ہے؟

جبکہ جنوں سے مدد لینا اصولی اعتبار سے ممنوع ہے، بعض علماء نے صرف اس کی اجازت دی ہے کہ کبھی - یعنی نادر طور پر - اگر جن نے کسی مسلم کو اپنے ایمان کے متعلق بتا دیا تو وہ ایسا کر سکتا ہے؛ مگر یہ نہ تو نبی ﷺ کا طریقہ تھا نہ ان کے صحابہ کا؛ بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ فرماتے ہیں: جنوں سے متعلق نبی ﷺ کی دو حالتیں ہیں:

اول: یہ کہ وہ انہیں حکم دیتے ہیں اور روکتے ہیں؛ توحید کا حکم دیتے ہیں اور اس کی ضد (یعنی شرک) سے روکتے ہیں؛ کیونکہ وہ بھی مکلف ہیں اور امر و نہی کے معاملے میں وہ بھی دوسروں کی طرح ہیں۔

اور دوسری: جنوں کے ساتھ یعنی جن شیطانوں کے ساتھ یہ ہے کہ وہ ان کے شر سے اللہ جل وعلا کی پناہ مانگتے ہیں، اور ان کے شرور (برائیوں اور اذیتوں) کو دور رکھنے کے لئے محمود ومشروع رقیوں (یعنی دعاؤں اور استعاذوں) کے ذریعہ رقیہ کرتے ہیں۔

مگر جن سے استعانت (یعنی مدد مانگنا)۔گو وہ حاضر ہو۔نبی ﷺ کا طریقہ تھا نہ ان کے صحابہ کا۔اور علماء میں سے جس نے اس کی اجازت دی ہے وہ بس یوں ہے کہ جب وہ کسی متعین حالت میں پیش ہو،اور اسے رقیہ کی حالت میں نہیں ہونا چاہیے۔

لہٰذا جنوں سے استعانت (مدد مانگنے) کو ترک کردینا واجب ٹھہرا، کیونکہ یہ اللہ جل وعلا کے ساتھ شرک اور شر کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

پھر یہ بھی ہوا کہ جن لوگوں نے جنوں سے مدد لی نتیجے میں انھوں نے مصیبتیں ڈال دیں، فرقت پیدا کردی، جنھیں یہ مسلم جن سمجھتے رہے ان کی خبروں سے دلوں میں کینے پیدا ہوگئے، وہ انہیں بتاتے ہیں کہ اس شخص کو نظر لگی ہے اور یہ نظر اس کی دوسری بیوی نے لگائی ہے، ایک لڑکی کی طرف سے ہے، یا جادو ہے، یا ایسا ہے اور وہ فلاں سے ہے، اور وہ اس جن کی بتائی ہوئی خبریں لوگوں کو بتاتا ہے، جبکہ جن کی خبروں کی قبولیت اس بات پر موقوف ہے کہ وہ عادل ہے، ثقہ ہے، اور جن اگر کسی انسان کا قرین بھی ہو اور اس کے ساتھ حاضر بھی ہو تو اس کی عدالت معلوم نہیں ہوسکتی ہے، جن کی عدالت کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ عادل ہے یا غیر عادل، اسی لئے علمائے حدیث نے اصطلاح کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جن کی روایت مسلمان جنوں کی روایت ضعیف ہوتی ہے، کیونکہ روایت کی صحت عدالت کی معرفت اور ثقاہت کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے، اور یہاں اس کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تب بھلا وہ اس دعوے کے ساتھ کہ جن مسلمان ہے اس کی بتائی خبریں کیوں بیان کرتا ہے وہ کیوں یہ کہتا ہے کہ جن نے مجھے بتایا کہ اس پر فلاں عورت کی طرف سے جادو کیا گیا ہے، اس خاتون پر جادو ہے اور یہ جادو اس کے شوہر کی دوسری بیوی نے ۔اس کی سوکن نے۔کیا ہے، یا اس کے باپ کی بیوی نے کیا ہے، یا اس کی پھوپھی نے کیا ہے، وہ یہ باتیں بتاتا ہے اور نتیجے میں کینہ پیدا ہوجاتا ہے، رشتہ داری ٹوٹ جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ کبھی یہ کہتا ہے کہ یہ بلا تمہارے شوہر کی طرف سے ہے، تمہارے شوہر نے یہ سب کچھ کیا تھا، اور اس پر اعتماد کرنا ناجائز ہے، جن سے مدد لینا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور مومنوں میں پیدا ہونے والی فرقت کو روکنے کا یہی ذریعہ ہے۔ راقیوں (جھاڑ پھونک کرنے والوں) کی مخالفتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ رقیہ کے متعلق مشروع امور کے سلسلے میں تساہل برتنے لگتے ہیں، اور لوگوں کی کثرت اور وقت کی قلت کے پیش نظر وہ اپنے رقیوں میں ایسے قسم قسم کے وسیلے استعمال کرنے لگے ہیں جو مشروع وسیلے کے مخالف ہیں؛ مثلاً: بعض لوگ مہریں بنوا لیتے ہیں جن میں آیت ثبت ہوتی ہے، پھر ان میں زعفران کی روشنائی استعمال کی جاتی ہے کہ انہیں زعفران لگا کر کاغذ پر مہر کی جاتی ہے، میں نے ایک بڑی مہر اس کام کے لئے دیکھی ہے، جس سے کاغذ پر مہر لگائی جاتی ہے، اور یہ لازم ہے کہ مہر لگانے کے لئے اسے کاغذ پر مارا جائے، جبکہ اس میں قرآن کی آیت ہوتی ہے اور یہ قرآن کی بے حرمتی ہے، کیونکہ وہ پہلے قرآن کی آیت کو زعفران پر مارتے ہیں پھر کاغذ پر مار کر مہر لگاتے ہیں، اور یہ ایک مخالفت ہے؛ کیونکہ اس میں قرآن کی توہین ہے، اور قرآن کی توہین حرام ہے۔

ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ (قرأتوں میں تقسیم کرکے) کہتے ہیں: یہ معمولی قرأت ہے، یہ توجہ والی قرأت ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شاہی قرأت ہے، آخر کیسے؟ کہتے ہیں: اس میں میں نے یہاں سے یہاں تک پڑھا ہے، یہ سب لوگوں کا مال باطل کے ساتھ کھانے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، خلاف اصل ہے، اور اصل یہ ہے کہ بلاتفریق مشروع قرأت کی جائے، یہ نہ کہیں کہ یہ معمولی قرأت ہے پچاس ریال

کی، اور ممتاز قرأت دوسو ریال کی ہے، جبکہ شاہی قرأت ہزار ریال والی ہے، اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اول تو یہ کام منکر چیزوں کی طرف لے جاتا ہے، پھر یہ نصوص سنت میں وارد امور۔یعنی اصل رقیہ کے متعلق وارد امور۔ کے مخالف ہے، لہٰذا اس کام سے بچنا چاہئے اور اس کی مخالفت کرنی چاہیے، اور رقیہ کرنے والے آدمی کو ایک سچا مخلص انسان ہونا چاہئے، جو صرف مشروع طریقے پر انحصار کرتا ہو اور غیر مشروع طریقے کو ترک کر دیتا ہو، اور اس بات سے بھی چوکنا اور ہشیار رہنا چاہئے کہ کہیں شیطان اسے لغزش میں نہ ڈال دے۔

یہ ان لوگوں کی بعض مخالفتیں ہیں جو (شرعی) رقیہ کرتے ہیں۔

مگر دوسری طرف کچھ بڑی بڑی اور بھاری شرکیہ مخالفتیں بھی ہیں جن کا ارتکاب جادوگر، شعبدہ باز اور باطل کے ساتھ علاج کرنے والے کیا کرتے ہیں، وہ آپ کے پاس شرکیہ منتر لے کر آتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا، وہ کچھ اوراق دیتے ہیں جن میں شیطانوں کے نام ہوتے ہیں، یا ان میں غیر معروف نام ہوتے ہیں، یا اسی طرح کی اور چیزیں ہوتی ہیں، خبردار خبردار اس سے ہشیار رہیں؛ کیونکہ یہ اللہ جل وعلا کے ساتھ شرک ہے، اور کبھی کبھی اس کے ساتھ۔العیاذ باللہ۔ اللہ جل جلالہ کے سوا اوروں کے لئے جانور ذبح کرنے کے لئے کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے آدمی اللہ کے دین سے نکل جاتا ہے؛ کیونکہ یہ شرک اکبر ہے، عبادت کا کام ہے جسے صرف اللہ جل جلالہ کے لئے ہونا چاہئے، یا یہ رقیہ کرنے والا۔العیاذ باللہ۔ اسے کچھ شرکیہ کام کرنے کا حکم دیتا ہے، یا کفر کے کام کرتا ہے مثلاً قرآن شریف کی توہین کراتا ہے، اور ایسے ہی کام لیتا ہے جو اللہ جَلّ جَلَالُہٗ کے ساتھ کفر ہوتا ہے۔

اسی لئے تمام لوگوں پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کریں، انکار منکر کے لئے مل جل کر کام کریں۔جس کے متعلق یہ معلوم ہوجائے کہ وہ اپنی قرأت میں یا رقیہ (جھاڑ پھونک) میں غیر شرعی طریقے شرک، شعبدے بازی اور دجل وفریب اپناتا ہے اس کی باتیں (ذمہ دار لوگوں) تک پہنچا دینا واجب ہے، آپ اس وقت تک بری الذمہ نہیں ہوسکتے ہیں جب تک اس کے متعلق خبر نہ دے دیں، کیونکہ یہ لوگ زمین میں فساد مچانے والے ہیں جبکہ اللہ جل وعلا نے زمین کی اصلاح کا حکم دیا ہے اور اس میں فساد پھیلانے سے روکا ہے، فریضۂ تعاون کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ بات معلوم ہوجائے یا آپ اسے دیکھ لیں تو پھر لازم ہے کہ چپ نہ بیٹھیں، بلکہ اس بات کا پہنچا دینا آپ پر واجب ہوجاتا ہے، آپ اس کی بات کہاں پہنچائینگے؟ متعلقہ اداروں تک پہنچائیں گے، ھیئۃ (الامر بالمعروف ونھی عن المنکر) تک، یا پھر امارت تک، یا قاضی شہر تک، یا عدالت تک یا اسی طرح کے ذمہ دار اداروں تک جس سے آپ کی ذمہ داری ادا ہوجائے اور آپ بری الذمہ ہوجائیں یا کچھ اہل علم تک پہنچا دیں جنھیں آپ جانتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہولیں، سکوت قطعی جائز نہیں ہے۔ یہ چند باتیں تھیں جو اس لیکچر کے موضوع کے متعلق تعمق کے بغیر قریب سے آپ کی بصیرت کو روشن کرنے والی ہیں، موضوع ہے: رقیے اور ان کے احکامات۔

تمام لوگوں کے لئے اس موضوع کا اہتمام لازم ہے، اور یہ بھی کہ وہ اپنے دین میں فہم حاصل کریں کیونکہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

اپنے گھر کی عورتوں اور جاہلوں کے متعلق چوکنا اور ہشیار رہیں کہ وہ کہیں ایسے قاریوں یا رقیہ کرنے والوں کے پاس نہ جائیں جنھیں اچھی طرح جانتے نہ ہوں اور ان کی عدالت وثقاہت، امانت اور رقیہ کا درست اور بہتر استعمال معلوم نہ ہو۔

سب لوگوں پر وسائل شرک سے آگاہی اور ان سے پرہیز لازم ہے، سنت کی پابندی اور اس میں پائی جانے والی رہنمائی اور وضاحتوں کا اہتمام ناگزیر ہے، کیونکہ ہر خیر سنت محمد علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع میں ہے، اس لئے کہ انھوں نے ہر خیر کی رہنمائی فرمادی ہے کچھ باقی نہیں چھوڑا ہے اور ہر شر سے ہمیں آگاہ کردیا ہے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کردی ہے، چنانچہ انھوں نے ہمیں مشروع رقیہ کا طریقہ بھی بتادیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ رقیہ قرآن سے ہو یا آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام نے جن معروف دعاؤں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے ان سے ہو، اسی طرح انھوں نے ہمیں شرکیہ رقیوں (دعاؤں اور منتروں) کے شر سے اور انہیں جیسی چیزوں سے جو ان کی طرف لے جانے والی ہوں روک دیا ہے۔ اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ہمیں ہر خیر کی ترغیب دی ہے۔

شیخ کے محاضرے میں اور بھی بہت سی اہم باتیں موجود ہیں جن کا ذکر فائدے سے خالی نہیں اس لئے ان میں سے کچھ اہم نکات پیش کئے جارہے ہیں:

فرماتے ہیں: ایک مسلمان کے لئے رقیہ کے متعلق علم رکھنے کی اہمیت اس سے اور بڑھ جاتی ہے کہ رقیوں میں مشروع وممنوع کے درمیان خلط ملط واقع ہو چکا ہے، شرعی رقیوں (جھاڑ پھونک اور دعاؤں) میں بدعی رقیوں (یعنی شرعی اعتبار سے بدعت اور ناجائز رقیوں) کی آمیزش ہو چکی ہے؛ بلکہ شرکیہ رقیے بھی اس میں داخل ہو چکے ہیں... لہٰذا شرعی رقیوں اور ممنوع رقیوں کے متعلق آپ کو بصیرت حاصل رہے یہ بہت اہم بات ہے کیونکہ اسی سے مشروع اور شرک اور وسائل شرک کے درمیان فرق ظاہر ہوگا۔

اور بہت سے لوگ اس جھانسے میں آجاتے ہیں کہ رقیہ کرنے والا نیک آدمی ہے، یا دوا کرنے والے کی ظاہری نیکی کی وجہ سے وہ پھنس جاتے ہیں، چنانچہ جب وہ ان کے لئے کچھ چیزیں تجویز کرتا ہے، یا اذکار بتاتا ہے، یا اوراد متعین کرتا ہے یا اسی طرح کی چیزیں بتاتا ہے تو وہ اپنی ان تجویزوں میں اس کے ساتھ خیانت سے کام لیتا ہے اور اسے غیر مشروع چیزوں کی طرف پھیر دیتا ہے، اور اس کی رہنمائی کسی ایسے کام کی طرف کرتا ہے جس میں بدعت ہوتی ہے یا شرک ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

اس لئے آپ پر واجب ہے کہ آپ اس وقت تک کوئی رقیہ استعمال نہ کریں جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ یہ مشروع ہے؛ کیونکہ اصل اس میں منع (ممانعت) ہے اور صرف وہی اس ممانعت سے باہر ہے جو (شرعی طور پر) جائز ہے، اور اس کی کچھ شرطیں ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

اس موضوع کی اہمیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ بلاد اسلام میں بہت سے وسائل شرک ان خود ساختہ معالجوں اور دواؤں اور قرآن کے ذریعہ علاج کرنے والوں کے ذریعہ ہی پھیلے ہیں، ان میں کچھ شعبدہ باز اور جادوگر بھی ہوتے ہیں جو - العیاذ باللہ - جن اور جنوں کے شیطانوں سے کام لیتے ہیں۔

ابن بشر نے تاریخ نجد کے شروع میں بیان فرمایا ہے کہ نجد میں شرک کے پھیلنے کا ایک سبب خود ساختہ معالجین اور دوائیں کرنے والوں کا ورود بھی ہے جو اہل بادیہ میں سے ہوتے تھے اور پھلوں کی پیداوار کے زمانے میں دیہاتوں میں آجایا کرتے تھے، تب لوگوں کو ان کی ضرورت ہونے لگتی تھی، یا تو جھاڑ پھونک کرانے کے لئے یا دواؤں کے لئے، پھر ان لوگوں نے انہیں شرک کرنے کا حکم دیا اور غیر مشروع کاموں کی تلقین کی، اس طرح - ابن بشر رحمہ اللہ کے مطابق - ان جاہلوں کے ذریعہ یا شعبدہ بازوں اور جادوگروں کے ذریعہ بہت کچھ شرک وفساد پھیل گیا، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ طبیعتیں اس بات کی شدید خواہاں ہوتی ہیں کہ انہیں لاحق تکلیفیں دور ہوجائیں،

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کا کام مشروع طریقے پر بنے یا غیر مشروع طریقے پر۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ جل وعلا نے اپنے رسول پر جو باتیں نازل فرمائی ہیں ان کے حدود کا علم امورعقیدہ اور اموراحکام سب میں مطلوب ہے۔

اور یہ موضوع توحید اور عقیدے سے جڑا ہوا ہے، لہٰذا اس کے متعلق علم حاصل کرنے کا اہتمام ہر مسلمان کو کرنا چاہئے اور اس کے متعلق اللہ جل وعلا کے حکم کی معرفت ضرور حاصل کرنی چاہئے...

آگے ایک جگہ فرماتے ہیں: جو چیزیں اس میں یعنی ممنوع رقیوں میں داخل ہوتی ہیں ان میں بدعتی رقیے بھی ہوتے ہیں یا وہ رقیے ہوتے ہیں جن میں حد سے تجاوز پایا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص رقیہ تالیف کرتا ہے، یا کوئی شخص رقیہ میں اجتہاد کرتا ہے جس میں حد سے تجاوز پایا جاتا ہے جیسا کہ یہ ایک رقیہ ہے جو بعض علماء کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ: میں نے حاسد کی نظر خود اس کی طرف اور اس کے نزدیک سب سے عزیز شخص کی یا اس کے نزدیک سب سے محبوب آدمی کی طرف پلٹ دی۔ نظر لگانے والے نے زیادتی کی؛ مگر اس کے محبوب ترین لوگوں: اس کے والد، یا اس کی والدہ، یا اس کے رشتہ دار یا اس کے لڑکے نے زیادتی نہیں کی، پھر نظر ایسوں کی طرف کیوں لوٹائی جائے جنھوں نے زیادتی نہیں کی ہے؟ اس پکار میں گناہ ہے، کیونکہ اس کے اندر دعا میں حد سے تجاوز پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ بدعتی دعاؤں یا رقیوں میں سے ہے، اگرچہ اس کا ذکر زاد المعاد میں ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی ایک گفتگو کے درمیان فرمایا ہے۔

لہٰذا اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ رقیوں میں اصل ممانعت ہے بجز ان کے جو جائز ہیں (یعنی شرعی اعتبار سے جائز ہیں)

فیضی عرض کرتا ہے کہ یہ سلفی حس ہے کہ سب کی باتیں قرآن وسنت اور ان سے مستنبط وماخوذ اصولوں پر پیش کی جائیں پھر جن کی باتیں مذکورہ اصولوں پر کھری اتریں انہیں قبول کرلیا جائے ورنہ قائل چاہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، مفتی اعظم شیخ ابن باز یا اور بھی کوئی چھوٹی بڑی شخصیتیں ہوں ان کی باتوں کو بصد ادب واحترام رد کردیا جائے۔

ایک حقیقت شیخ کے کلام میں یہ بھی واضح ہوئی کہ رقیہ کا معاملہ عادات سے یا ان دنیاوی منفعت کی چیزوں سے نہیں ہے جن میں اصل جواز ہوتا ہے بلکہ اس کا تعلق ان شرعی امور سے ہے جس میں اصل ممانعت ہوتی ہے اور اس سے متعلق صرف وہی چیزیں جائز ہوتی ہیں جو دلائل سے ثابت ہوں۔

شیخ آگے فرماتے ہیں: اس سے آپ کی رہنمائی اس بات کی طرف ہوتی ہے کہ چھان بین آپ پر واجب ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ رقیہ آپ کسی بھی شخص سے قبول کرلیں، اور جس کسی کے متعلق کہہ دیا جائے کہ یہ راقی ہے بس اس کے پاس بھاگے چلے جائیں، کیونکہ یہ علم وہدایت کی بات نہیں رہی ہے، جب آپ کے سامنے کوئی رقیہ آئے، یا کسی چیز کی طرف آپ کی رہنمائی کی جائے، یا وہ کتاب وسنت سے نہ ہو تو اسے کسی اہل علم کے سامنے پیش کریں وہ آپ کو بتادیں گے کہ یہ جائز ہے یا نہیں...

آگے ایک جگہ فرماتے ہیں: راقی کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس پر رقیہ کررہا ہو اسے اللہ سے جوڑے، مریض کو اپنی ذات سے نہ وابستہ کرے، اور اپنے آپ پر عظمت کا رنگ چڑھا کر نہ پیش کرے، یہ نہ ظاہر کرے کہ لوگ اس کے رقیہ سے فائدہ اٹھارہے ہیں، اور بہت ساری کہانیاں لے آئے کہ میں نے فلاں مرض سے شفا دیا، میں نے پڑھا اور کینسر سے شفا ہوگئی، میں نے فلاں پر پڑھا اور فلاں مرض سے اسے چھٹکارا دلایا، جن پر رقیہ پڑھتا ہے ان کے سامنے خود کو بڑا بنا کر پیش نہ کرے، اچھے راقی کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ

خشوع وخضوع کا حامل ہوتا ہے اللہ جل وعلا کے سامنے خود کو جھکائے رکھتا ہے، اسے خود پسند اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے والا نہیں ہونا چاہیے، اللہ عزوجل نے اسے جو صلاحیت عطا فرمائی ہے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچادے اور اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرے، لوگوں کو خود سے نہ جوڑے، بلکہ لوگوں کو ان مشروع اذکار اوراد کے ساتھ وابستہ کردے جو سنت میں ثابت ہوں، اور ایسا ہی کام کرے، انہیں بھلائی کی ترغیب دے اور برائی سے روکے، اور ان کے لئے اسباب خیر کا راستہ کھول دے، جبکہ حقیقت میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ بہت سے لوگ بالخصوص جاہل عوام اور خواتین راقیوں کے ساتھ خود کو وابستہ کرلیتی ہیں اور اسی کی حیثیت پر اعتماد کرلیتی ہیں، راقی کہتا ہے: میں نے فلاں کو ایسے دم کردیا جبکہ ممکن ہے اس نے ایک لفظ بھی نہ پڑھا ہو، یا بہت معمولی پڑھا ہو، یوں ہی کیا ہو، مطلب یہ کہ اس نے کچھ زیادہ کوشش نہیں کی، درست طریقے کی جستجو نہیں کی نفع بخش آیتیں وغیرہ نہیں پڑھیں، بس نام کردیا، یہ اچھی بات نہیں ہے، اور راقی کو یہ چاہیے کہ وہ لوگوں کو یہ سمجھائے کہ نفع دینے والا تو اللہ ہی ہے، میں تو بس ایک صاحب سبب ہوں اور رقیہ بھی ایک سبب ہی ہے، انہیں اچھے اچھے اوراد سکھائے، خیر بتائے اور شر سے روکے۔

اچھے راقی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ خود کو لغزشوں اور فتنوں کے حالات اور مواقع سے دور اور محفوظ رکھے، بالخصوص عورتوں پر رقیہ پڑھنے کے سلسلے میں احتیاط برتے کیونکہ ممکن ہے رقیہ کے نام پر عورت کے ساتھ خلوت کی وجہ سے شیطان کو انسان پر داخلے کا راستہ مل جائے، یا جب وہ کسی خاتون پر ہاتھ رکھے یا ایسا ہی کوئی اور کام کرے جو شرعی طور پر ممنوع ہے تب شیطان کو اس پر راہ مل جائے۔

لہٰذا جھاڑ پھونک کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ شیطانی وسائل اور فتنے کی راہوں سے بچتا رہے ورنہ ممکن ہے -العیاذ باللہ- کہ دینی فتنے ہی کا شکار ہوجائے، اور کچھ رقیہ پیشہ لوگوں کے ساتھ ایسا ہو بھی چکا ہے۔

سب کے شیخ عزت مآب علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا تبصرہ....

ہم سب نے یہ گرانقدر تقریر سنی جو صاحب فضیلت جناب شیخ صالح بن عبدالعزیز بن ابراہیم آل شیخ جزاہ اللہ خیراً وضاعف مثوبتہ نے پیش فرمائی ہے۔

اپنے موضوع پر یہ ایک گرانقدر تقریر ہے جو لائق توجہ واہتمام ہے.... تمام لوگوں کو میری پختہ نصیحت ہے کہ آپ لوگوں نے رقیہ کے سلسلے میں جو فائدے اور ارشادات سماعت فرمائے ہیں ان پر عمل پیرا ہوں، بہت سے راقیوں (جھاڑ پھونک کرنے والوں) کے پاس رقیہ کے متعلق بصیرت نہیں ہوتی ہے، اور ان میں سے بہتوں سے کچھ ایسے کام ہوجاتے ہیں جو نامناسب ہوتے ہیں، ایک مومن کو چاہئے کہ جب اسے رقیہ مطلوب ہو تو وہ خیر کے ساتھ مصروف لوگوں، استقامت کے ساتھ معروف لوگوں اور علم کے ساتھ معروف لوگوں کی جستجو کرے تاکہ مخالف شرع امور میں نہ جا پڑے.... لہٰذا راقی (جھاڑ پھونک کرنے والے) اور مرقی (جس کا رقیہ کیا جارہو) دونوں کو چاہیے کہ وہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھیں اور اپنا تعلق اللہ سے جوڑیں اور اس بات پر ایمان رکھیں کہ نقصان اور نفع، دینا اور روکنا، اور شفاء اور عافیت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور دل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ جڑے رہیں اور اس سے مطمئن رہیں، راقی اور مرقی (جس پر رقیہ کیا جارہا ہو) دونوں اس بات کا یقین رکھیں کہ شفاء اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اپنی امیدیں اللہ ہی سے وابستہ رکھیں، اور اللہ سے دعا کریں کہ اسباب نفع بخش ہوجائیں خواہ وہ اسباب رقیہ کی شکل میں یا داغنا ہو یا دیگر دواؤں کے ذریعہ علاج ہو..... اور جیسا کہ آپ

نے سنا رقیہ کی تین شرطیں ہیں:

اول: یہ کہ رقیہ قرآن سے ہو، یا احادیث میں وارد دعاؤں سے ہو، یا مباح دعاؤں اور واضح ومباح چیزوں سے ہو، مگر یہ کہ وہ مجہول ناموں یا مجہول چیزوں کے ذریعہ ہو یا (ملی جلی چیزوں کے ذریعہ ہو) یا غیر اللہ سے تعلق جوڑ کر کیا جائے، یا جنوں کے توسل سے ہو تو یہ سب کام ممنوع ہیں، اس معاملے میں لازم ہے کہ رقیہ واضح چیزوں کے ساتھ ہو، وہ آیات ہوں، احادیث ہوں یا ایسی واضح اور مباح چیزیں ہوں جن میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا۔

دوم: شریعت کی مخالف چیزوں یا مجہول ناموں کے ذریعہ رقیہ جائز نہیں ہے۔

سوم: اس سلسلے میں ہمارا اعتقاد یہ ہونا چاہئے کہ رقیہ بس ایک سبب ہے اور شفا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ جل وعلا ہی شفا دیتا ہے، یہ سب بس اسباب ہیں۔

اور جس بات کی تنبیہ ہونی چاہئے - جیسا کہ فضیلۃ الشیخ صالح نے بھی اس کی تنبیہ فرمائی ہے - وہ یہ ہے کہ جنوں سے کچھ پوچھنے اور سوال کرنے سے دور رہیں، اور ان کی باتوں پر اعتماد نہ کریں، وہ کہتا ہے: اس کی بہن نے اس پر جادو کر دیا ہے، یا اس کی سالی نے یا اس کی ماں نے یا فلانہ نے یا فلاں نے۔ یہ سب باطل ہے، یہ سب جھوٹ ہے، اس پر اعتماد کرنا جائز نہیں، راقی کے لئے ان سے سوال کرنا اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا جائز نہیں: کیونکہ ان میں جھوٹے بھی ہوتے ہیں، مجہول بھی ہوتے ہیں، فاسق اور کافر بھی ہوتے ہیں، اس لئے نہ اس پر اعتماد جائز ہے نہ ان سے پوچھنا جائز ہے، بس اس کا رقیہ کر دیں، اور اگر اس کے اندر جن ظاہر ہو تو بس اس سے نصیحت ہی کی بات کرے، اسے سمجھائے اور انسان کے اندر باقی رہنے سے ڈرائے کہ یہ ظلم ہے، اور جائز نہیں ہے، اس پر اس کے اندر سے نکل جانا واجب ہے، اور اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے، اگر مسلم ہو تو اللہ کو نگاہ میں رکھے اور ظلم کے انجام سے ڈرے۔

مگر یہ کہ اس بارے میں اس کی تصدیق کرے کہ میں فلاں کے سبب سے اس کے اندر داخل ہوا یا فلانہ نے کیا اور فلانہ نے کیا، تیری بہن نے، تیری ماں نے، یا تیری بھابھی نے یا تیرے پڑوسی نے یا فلاں نے، ان سب سے بچنا واجب ہے، اور ان جھوٹے جنوں کی تکذیب نہ کرے۔ بلکہ راقی انہیں وعظ ونصیحت کرے، انہیں نکل جانے کا حکم دے، اور یہ بتائے کہ وہ ظلم کر رہے ہیں، اگر مسلم ہو تو اللہ سے ڈرو اپنے بھائی پر ظلم نہ کرو اور اگر غیر مسلم ہو تو بھی ظلم سے بچنا واجب ہے، کیونکہ اس کا انجام بھیانک ہوتا ہے، اس طرح وہ ایک مسلم کے اندر باقی رہنے سے اسے ڈرائے، اور یہ بتائے کہ یہ ظلم ہے جس سے گریز واجب ہے۔

بہرحال راقیوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں، اور اسے نگاہ میں رکھیں، قرآنی آیات، نبوی دعاؤں اور مباح دعاؤں سے ہی رقیہ کریں، اور جن اسباب کو اللہ نے حرام کر دیا ہے ان حرام کردہ اسباب سے بچیں اور دور رہیں، جھوٹ بولنے سے پرہیز کریں، جن کی تصدیق، یا اس سے سوال کرنے یا جنوں پر اعتماد کرنے سے گریز کریں...(دیکھئے: الرقی واحکاملها لصالح بن عبدالعزیز آل الشیخ... شبکۃ السحاب السلفیه اور دیگر مواقع)

فتح الرحمان في بيان هجر القرآن کے مؤلفین ابوانس محمد بن فتحی آل عبدالعزیز اور ابوعبدالرحمان محمود بن محمد الملاح نے اپنی اس کتاب میں رقیہ کے متعلق ایک خاص عنوان: بدع وأخطاء المعالجين قائم کیا ہے جس کے تحت انہوں نے بہت سی بدعتوں اور مخالفتوں کا ذکر کیا ہے اور مفید نکتے بیان کئے ہیں جو ان شاء اللہ ہمارے قارئین کے علم وبصیرت میں اضافے

کا باعث ہوں گے اس لئے ہم قدرے اختصار کے ساتھ پوری بحث کو یہاں پیش کر رہے ہیں:

معالجین (رقیہ کرنے والوں) کی کچھ بدعتیں اور خطائیں

علاج کے کام میں کچھ ایسے نوجوان داخل ہوگئے ہیں جو استقامت میں کمزور ہیں اور (علمی ودینی اعتبار سے) اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوسکے ہیں، فقہ میں بھی ان کا علم ناپختہ ہے، مگر انھوں نے اپنے گمان میں خود کو احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرح سمجھ کر قرآنی علاج کا بیڑا اٹھالیا ہے، جبکہ ابھی انھوں نے حفظ قرآن بھی مکمل نہیں کیا ہے، بلکہ دیگر دینی امور تو ایک طرف رہے انہیں نواقض وضو (وضو کو توڑ دینی والی چیزوں) یا ارکان صلاۃ، یا صحت صلاۃ کی شرطوں کا بھی پتہ نہیں ہے، بس ان کی صلاحیتوں کی انتہا یہ ہے کہ انھوں نے رقیہ یاد کرلیا ہے یا ایک یا دو کتابیں پڑھ لی ہیں اور اسی پر علاج کرنے لگے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ محظورات (شرعی اعتبار سے نادرست وممنوع چیزوں) کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور انہیں - اپنی جہالت کی وجہ سے - ان چیزوں کا پتہ بھی نہیں چل پاتا ہے، لہٰذا ان کے علاج میں بدعتیں پھیل چکی ہیں اور خرافات کی کثرت ہوگئی ہے، اور اس کے دو اسباب ہیں:

اول: دینی امور کے متعلق معالج (رقیہ کرنے والے کی جہالت)

دوم: جنات کی بتائی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق کرنا؛ کیونکہ بسا اوقات جن معالج کو کچھ نصیحتیں کرتا ہے اور بطور مثال کہتا ہے کہ: فلاں حالت کے لئے فلاں فلاں آیتیں پڑھو، یا قرآن کو کسی خاص طریقے پر لکھو پھر ایسا کرو اور ویسا کرو، اور یہ معالج جن کی نصیحت پر عمل پیرا ہوجاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ محظورات (شرعی مخالفتوں) کا شکار ہوجاتے ہیں۔ (وقاية الانسان من الجن والشيطان ص (۹) مطبوعه مكتبة الصحابة طبع دهم)

ان مخالفتوں اور محظورات میں سے کچھ امور حسب ذیل ہیں:

اول: جنوں کے ساتھ گفتگو اور ان کی تصدیق:

جنوں کے ساتھ گفتگو اور ان سے بہت سارے سوالوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے۔ مثلاً لوگ جن سے یہ پوچھتے ہیں کہ: اس کا نام کیا ہے؟ عمر کیا ہے؟ مذہب کیا ہے؟ اور اس کی (ان باتوں میں) تصدیق بھی کرتے ہیں؛ اس کی وجہ سے بہت سے مفاسد اور مخالفتوں کا ارتکاب ہونے لگا ہے، اور یہ لوگ یہ بات فراموش کر چکے ہیں کہ جن حصول علم کا مصدر (سرچشمہ) نہیں ہیں، کیونکہ جنوں میں جھوٹ غالب ہوتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "صدقک وهو كذوب" اس نے تم سے سچ کہا ہے جبکہ خود وہ جھوٹا ہے، مزید برآں ایسے حالات میں نبی ﷺ کا جو طریقہ تھا یہ عمل اس کے خلاف ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"پہلے گزشتہ ایام میں مصروعین (دماغی خلل کا شکار لوگوں یا آسیب زدوں) پر قراءت (رقیہ پڑھنے) کا کام بہت تھوڑے سے لوگ کیا کرتے تھے جو نیک لوگ ہوا کرتے تھے، مگر آج وہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، ان میں کچھ بے پردہ خواتین بھی ہیں، لہٰذا ہو یہ رہا ہے کہ جو کام - عادتاً اطباء ہی انجام دیا کرتے تھے - وہ ایک شرعی وسیلے کی حیثیت سے تجاوز کر کے ایسے امور اور وسائل کی طرف چلا گیا ہے جو بیک وقت شرع اور طب دونوں کے نزدیک غیر معروف ہیں، لہٰذا میرے نزدیک ان کا شمار ایک طرح کے دجل (فریب اور فراڈ) اور ان وسوسوں میں ہوتا ہے جنھیں انسان کا دشمن شیطان ان کے دلوں میں ڈالتا ہے (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ) (الانعام:۱۱۲) اوراسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن میں سے بعض بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کرسکتے سوان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کررہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔ اور یہ جنوں سے ایک طرح کا استعاذہ (جنوں کی پناہ طلب کرنا) ہی ہے جو جاہلیت کے زمانے کے مشرکین کیا کرتے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ: (وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا) (الجن:۶) بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے۔ لہٰذا جس کسی نے -اپنے دعوے کے مطابق- جادو کھولنے کے لئے ان کی مدد لی یا کسی انسان پر سوار جن کی شخصیت کے متعلق اس سے معلومات حاصل کی کہ وہ مذکر یا ہے مونث؟ مسلم ہے کافر؟ اور اس مدد طلب کرنے والے نے اس کی تصدیق پھر وہاں موجود لوگوں نے بھی اس کی تصدیق کی تو نبی ﷺ کے حسب ذیل ارشاد کی وعید ان سب کو لاحق ہوگی جس میں آپ فرماتے ہیں: ''من أتى عرافا أوكاهنا فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد'' جو کسی کاہن یا عراف (غیب کی باتیں بتانے والے) کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر نازل باتوں کے ساتھ کفر کیا'' اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ''لم تقبل له صلاة أربعين ليلة'' اس کی کوئی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی (اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور اس کی تخریج غایت المرام میں (۲۸۴) نمبر کے تحت کی گئی ہے اور جو حدیث اس سے پہلے ہے وہ بھی صحیح ہے، دیکھئے: الارواء: ۲۰۰۶)۔ لہٰذا اس پر دھیان دینا چاہئے، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بہت سے لوگ جو اس پیشے میں مبتلا ہیں وہ اس حقیقت سے غافل لوگوں میں شامل ہیں اسی لئے۔ اگر یہ اپنے اس پیشے میں لگے ہی رہنا چاہتے ہیں۔ تو میں انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان جنوں کو مخاطب کرنے میں اللہ کے نبی ﷺ کے اس قول: ''أخرج عدوالله'' اللہ کے دشمن نکل جا سے آگے نہ بڑھیں، اور میں انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد دلاتا ہوں کہ (فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ) (النور:۶۳) سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

والله المستعان ولا حول ولا قوة إلا بالله۔ (السلسة الصحيحة للألبانى ۱۰۰۹/۶-۱۰۱۰ طبع مكتبة المعارف بالرياض)

جنوں سے کئے جانے والے ان مکالموں سے بہت سے مفاسد پیدا ہوئے جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

۱۔ لوگوں کے درمیان فتنے پیدا ہوگئے، جھگڑے کھڑے ہوئے، جب وہ کہتے ہیں کہ فلاں نے ہی جادو کیا ہے، اور یہ سب کام لوگوں کے سامنے ہی ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر دشمنی اور نفرت کی بنیاد پڑ جاتی ہے، نہ جانے اس کی وجہ سے کتنے رشتے ٹوٹ گئے، کتنے گھر اجڑ گئے، اور کتنے گھرانوں کی بنیادیں ڈھے گئیں، اور ان سب کی فریاد اللہ ہی سے ہے۔

۲۔ چونکہ اس کی وجہ سے قرآن کریم کی تلاوت اور اذکار نبویہ کی پابندی بھی لوگ چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے جن کو لمبی مدت تک اس شخص کے جسم پر مسلط رہنے کا موقع ملتا ہے جسے اس نے

اپنی گرفت میں لے رکھا ہوتا ہے۔

دوم: علاج میں جنوں سے مدد لینا:

شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''جنوں سے استعانت خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔ اور استعانت کا معنی: مدد طلب کرنا ہے، اسی لئے اہل علم کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلم جنوں سے مدد مانگنا ناجائز ہے کیونکہ صحابہ ۔رضوان اللہ علیہم۔ نے ان سے مدد نہیں مانگی جبکہ وہ اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ جنات ان کی خدمت اور مدد کرتے۔

جنوں سے استعانت کی اصل: جب کوئی انسان کسی جن سے مدد لیتا ہے تو وہ اس کے ورغلانے اور اس کے مقام کو بلند کرنے کا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ایک سبب بن جاتا ہے، اللہ جل وعلا فرماتا ہے: (وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا) (الانعام:۱۲۸)

اور جس روز اللہ تمام مخلوق کو جمع کرے گا، (کہے گا) اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں میں سے بہت سے اپنا لئے، جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! (دنیا) میں ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو تو نے ہمارے لئے معین فرمائی۔

اس طرح فائدہ اٹھانے کا عمل سامنے آتا ہے کہ مفسرین کے مطابق انسان جنوں سے فائدہ اس طرح اٹھاتے ہیں کہ وہ ان کا تقرب حاصل کرتے ہیں، ان کے سامنے جھک جاتے ہیں اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں اور وہ ان کی ضرورتیں پوری کردیتے ہیں اور اس فائدہ اٹھانے کے عمل میں انسان جنوں کے لئے جانور بھی ذبح کرتا ہے، اور مختلف قسم کی عبادتوں کے ذریعہ ان کا تقرب حاصل کرتا ہے یا۔العیاذ باللہ۔ اللہ جل وعلا کے ساتھ کفر ہی کر بیٹھتا ہے، وہ یوں کہ قرآن شریف کی توہین کرتا ہے، یا خود اسی کی توہین کرتا ہے یا اسی طرح کے دوسرے کام کرتا ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی طرح استعانت جائز نہیں ہے، اس کی سب کی سب قسمیں ناجائز ہیں، مثلاً: جنوں کے کفار شیطانوں سے مدد طلب کرنا، اور کچھ ایسی ہیں جو شرک کا وسیلہ ہیں، جیسے مسلم جنوں سے مدد مانگنا۔

شیخ الاسلام جیسے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ جن کچھ انسانوں کی خدمت کرتے ہیں۔مگر یہ مقام محل نظر اور تفصیل طلب ہے۔ اس لئے آنجناب ۔رحمہ اللہ۔ نے کتاب النبوات کے آخر میں بیان فرمایا ہے کہ: اولیاء اللہ جنوں سے خدمت نہیں لیتے ہیں وہ بس ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ کیا تھا کہ وہ ان میں امر ونھی کا کام کرتے ہیں، یعنی: شرعی اوامر ونواھی کا، مگر رہی ان سے خدمت لینے اور مدد طلب کرنے کی بات تو یہ اولیاء اللہ کے طور طریقوں اور ان کاموں میں سے نہیں ہے، فرماتے ہیں: حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ جنات کبھی کبھی انسانوں کو فائدہ پہنچا دیتے ہیں، ان کی کچھ خدمت کرگزرتے ہیں اور اسی طرح کی باتیں ہوجایا کرتی ہیں، امر واقعہ کے اعتبار سے یہ صحیح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس مقام میں تفصیل ہے: اگر خدمت لینے کا طریقہ یہ ہو کہ مسلم جنات سے انسان مدد مانگتا ہو تو یہ شرک کا وسیلہ ہے، اور کسی بھی ایسے شخص کے پاس علاج کرانا جائز نہیں ہے جس کے بارے میں یہ معروف ہو کہ وہ مسلم جنوں سے مدد لیتا ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا ہو کہ جن بلا طلب کسی کی خدمت کردیتے ہوں تو ایسا ہوسکتا ہے، مگر یہ اولیاء اللہ کے اخلاق میں سے نہیں رہا ہے ۔نہ اس کا تعلق ان چیزوں سے ہے جنھیں اللہ۔جل وعلا۔ نے

اپنے خاص بندوں کے لئے مسخر کردیا ہے۔لہٰذا جس کی یہ حالت ہو وہ کسی ایسے خلل سے محفوظ نہیں ہے جس کی وجہ سے جن اس کی زیادہ خدمت کرتے ہوں اور اسے مختلف امور کی خبریں دیتے ہوں، اسی طرح کی اور کوئی خدمت کرتے ہوں۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ اگر یہ خدمت (راقی) کی طلب پر ہو تو یہ ناجائز ہے، محرمات کی قسموں میں سے ایک قسم ہے؛ کیونکہ وہ ایک طرح کا استمتاع (فائدہ حاصل کرنا) ہے، اور اگر وہ بلا طلب ہو تو بھی شیطانوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے، اور سرکش جنوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے؛ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ (راقی) ان کی خبریں قبول کرنے لگے، ان پر اعتماد کرنے لگے، ان سے اسے انسیت ہوجائے، اور اس طرح خدمت لیتے لیتے وہ ان سے توسل کرنے لگے اور اس کی توجہ -العیاذ باللہ- انہیں کی طرف پھر جائے، جب یہ بات واضح ہوگئی تو یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اہل علم کے نزدیک جنوں کی خبر ضعیف ہوتی ہے، اہل حدیث کے نزدیک اسے حجت بنانا جائز نہیں ہے، اور فقہاء نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ اور یہ بات صحیح بھی ہے؛ کیونکہ خبر کو تسلیم کرنا اور قبول کرنا خبر دینے والے کی تعدیل (اسے عادل ماننے) کی ایک فرع ہے، جبکہ جنات غائب ہوتا ہے، اس کی عدالت غیر معروف ہے، اور سامع کو اس کا علم نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اگر یہ اس آدمی کی خبر قبول کرلیتا جو جنوں کے واسطے سے بیان کرتا جبکہ اس نے انہیں دیکھا ہی نہیں ہوتا، اور ان کی عدالت کی تحقیق کا اس کے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے، بس ان سے سنی ہوئی باتیں ہی اس کے سامنے ہوتی ہیں، -اور یہ کافی بھی نہیں ہے- تو اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی ایسے شخص کی خبر سن لی ہو جس کے فاسق ہونے کا احتمال ہے؛ اسی لئے اللہ -جل وعلا- نے فرمایا: (يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن تُصِيبُوا۟ قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ) (الحجرات:٦) اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو، پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ۔ اور جو لوگ جنات کی خبریں قبول کرلیتے ہیں اور وہ جن واقعات کے متعلق بتاتے ہیں انہیں مان لیتے ہیں تو اس سے بھانت بھانت کے اور بہت سارے مفاسد (بگاڑ) پیدا ہوتے...لہٰذا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر نکیر کی کوشش کرنا اور جنوں سے خدمت لینے والوں پر حجت قائم کرنے کے لئے جو صرف اس بات کا سہارا لیکر بیٹھ جاتے ہیں کہ بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے جدوجہد کرنا واجب ہے، حقیقت حال یہ ہے کہ یہ کام اللہ -جل وعلا- کے ساتھ شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، ابن بشر کی ''تاریخ نجد'' نامی کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھ لیجئے جہاں انھوں نے فرمایا کہ: نجد میں شرک کے داخل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب کھیتوں کی کٹائی کا وقت آجاتا یا کھجوروں کے توڑنے کا موسم آتا تو وہاں کے دیہاتوں میں کچھ بدوی لوگ چلے آتے تھے اور ان بستیوں کے ایک گوشے میں ڈیرا ڈال دیتے تھے، ان کے پاس کچھ دوائیں اور جڑی بوٹیاں بھی ہوا کرتی تھیں، جب وہ اس طرح جم جاتے تو ان بستیوں کے کچھ جاہل لوگ ان سے (اپنی مشکلات کے متعلق) سوال کرلیتے تھے، ان سے سوال کرنے کے نتیجے میں صورت حال یہ ہوگئی کہ انھوں نے دیہاتیوں کے دلوں میں ان حرام کاموں کی محبت ڈال دی، کچھ شرکیہ کاموں یا کچھ بدعتوں کا انہیں خوگر بنادیا یہاں تک یہ چیزیں ان کے درمیان پھیل گئیں، ان خود ساختہ جاہل معالجوں، اور شعبدہ باز وحیلہ ساز قاریوں (جھاڑ پھونک کرنے والوں) کی وجہ سے -قدیم زمانے میں- شرک نجد اور اس کے اردگرد کی بستیوں میں پھیلا تھا جیسا کہ ابن غنام نے بیان فرمایا ہے۔ یہ بھی ہوا کہ

ان میں سے ایک شخص جو جنوں سے خدمت لیا کرتا تھا، پبلک اس کے پاس زیادہ آنے لگی، جب اس نے یہ دیکھا تو نفع بخش علاج کرنے لگا، پھر جنوں کا تسلط اس پر بڑھ گیا، یہاں تک کہ اس کی تاثیر کمزور پڑگئی، پھر جب اس کی تاثیر کمزور ہوگئی، اور اپنے پاس قراءت (رقیہ پڑھانے) یا علاج کے لئے آنے والے بعض حالات میں وہ کچھ بھی نہیں کرسکا، تو جنوں سے اس کی وابستگی اور بڑھ گئی، اس کے دل میں یقین کی جو قوت تھی وہ مسلسل پست ہونے لگی، اس کے دل میں جنوں پر عدم اعتماد کا جو جذبہ تھا وہ گھٹنے لگا، یہاں تک کہ دھیرے دھیرے اس کا اعتماد انہیں پر ہوگیا، پھر -العیاذ باللہ- انھوں نے اسے سنت سے منحرف کرکے ہی چھوڑا، اس کے دل میں توحید الٰہی اور اس کی تعظیم کا جو لازمی عقیدہ تھا اور یہ اعتقاد تھا کہ شرکیہ اغراض کے لئے جنوں کا استعمال نہیں کرنا چاہئے انھوں نے اسے اس عقیدے سے پھیر دیا اور اسے اس حد تک لے گئے کہ وہ شرکیہ اغراض کے لئے بھی اور متفقہ طور پر ناجائز اسباب کے لئے بھی ان کا استعمال کرنے لگا، (التمهيد لشرح كتاب التوحيد ص(٦١٥-٦١٩)للشيخ صالح بن عبدالعزيز آل شيخ ط دارالتوحيد، طبع اول)

سوم: جنوں کی رضامندی کی جستجو اور ان کے لئے جانور ذبح کرنا:

اس طریقے میں معالج آسیب زدہ پر سوار جن کو راضی کرنے کے جتن کرتا ہے، اور اس کی تمام مانگیں پوری کرتا ہے، لہٰذا کبھی وہ اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے لئے کوئی حیوان ذبح کیا جائے، یا سونا پہنا جائے، یا سگریٹ پی جائے یا ان کے سوا دیگر حرام کاموں کا ارتکاب کیا جائے، اور اس طریقے کی حرمت -اللہ اعلم- متعدد امور کی وجہ سے ہے:

۱- جنوں کے لئے جانور ذبح کرنا شرک باللہ ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لعن الله من ذبح لغير الله'' جو شخص غیر اللہ کے لئے (جانور) ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ (مسلم (۱۹۷۸) بواسطہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)۔ اور شرک وکفر کے ذریعہ علاج کرانے کی حرمت میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، ایسی چیزوں سے علاج متفقہ طور پر ناجائز ہے۔

۲- خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے کہ آدمی جن کی اطاعت کرے اور -اگر مرد ہو تو- سونا پہنے یا سگریٹ پئے، یہ تمام چیزیں شرعی طور پر حرام ہیں۔

۳- مانگیں پوری کرنے پر جن کی سرکشی، کفر، اکڑفوں اور تمرد بڑھ جاتا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا)(الجن:٦)

چہارم: تجربے پر اعتماد کرنا:

جنوں کی وجہ سے دماغی دوروں (آسیب زدگی) کا علاج کرنے والوں نے دروازہ کشادہ کردیا ہے، ہر شخص الگ الگ طریقہ استعمال کررہا ہے، ہر ایک کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ یہ مجرب ہے اور نفع بخش بھی ہے، اسی لئے ہم ان مجرب وسائل کے متعلق بہت کچھ سنا کرتے ہیں، وہ کچھ اس طرح ہیں:

۱- پانی پر پڑھنا اور اس سے وضوء کرنا اور اس سے غسل کرنا، اور اس سلسلے میں توسع اختیار کرنا۔

۲- معینہ جگہوں پر تیل کی مالش کرنا۔

۳- دھونی دینے والی اشیاء اور پتھر کے نگوں کا استعمال اور انہیں لٹکانا۔

۴- جنات کو خوفزدہ کرنا، اذیت پہنچانا، قید کرنا، جلا دینا، اور انہیں قتل کردینا!! لہٰذا کبھی تو یہ لوگ ضرب لگانے (مارنے) کا اور گلا گھونٹنے کا طریقہ اپناتے ہیں، کبھی آسیب زدہ کے بدن کے خاص حصوں کو جلاتے ہیں، جگہ پر اندھیرا کردیتے ہیں... ان

میں سے بعض لوگ - اپنے خیال کے مطابق - جنات کو ڈرانے کے لئے مریض کو بھیڑیے جیسے جانوروں کے پاس لے جاتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر بہت سی ترکیبیں آزماتے ہیں۔

۵۔ وقت بچانے کے لئے ایک ہی وقت میں لوگوں کی ایک جماعت پر رقیہ پڑھ دینا، اور یہ کام لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مسجدوں میں انجام دیا جاتا ہے، ان میں خصوصی طور پر کچھ محدد آیتوں پر اس دعوے کے ساتھ زور دیا جاتا ہے کہ یہ رقیہ کی آیات ہیں۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر نفع بخش تجربہ اس (میں آزمائے ہوئے) وسیلے کی مشروعیت کی دلیل نہیں ہوتا ہے، ورنہ ہمارے سامنے دجل وفریب، اور بدعت وخرافات کا ایک وسیع دروازہ کھل جائے گا، بلکہ کبھی اس میں شرک بھی آسکتا ہے۔

جو لوگ انبیاء اور اولیائے صالحین کو وسیلہ بناتے ہیں، ان کی قبروں کے پاس آہ وزاری کرتے ہیں، ان سے قضائے حاجات کا سوال کرتے ہیں، کہتے ہیں ہم نے بارہا اور یکے بعد دیگرے انہیں آزمایا ہے یہاں تک کہ کتابوں میں یہ بات درج ہوچکی ہے کہ ''معروف'' کی قبر تریاق مجرب ہے، یہ بات تاریخی طور پر درج ہے، اور عملی طور پر لوگوں کے نزدیک معروف ہے ①...

میں کہتا ہوں: تجربے کی کامیابی اس کی مشروعیت پر دلالت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس کے لئے کسی ایسی دلیل کا پایا جانا ضروری ہے جو اس کی شرعیت کی تائید کرتی ہو، ورنہ نہیں۔

① (مثلا شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (الکلمات النافعۃ) میں اس حیوان کے متعلق جسے پیشاب پاخانہ رک جانے کی شکایت ہوجاتی ہے اور جب اسے قبروں پر لے جایا جاتا ہے تو وہ ٹھیک ہوجاتا ہے لکھتے ہیں کہ یہ صاحب قبر کے نیک ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا ہے، اس حالت کی تفسیر اہل علم نے یہ بیان کی ہے کہ انہیں قبر میں عذاب ہورہا ہوتا ہے، اور جب حیوان ان کی چیخیں سنتا ہے اور قبر کے قریب پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے جس کی وجہ سے اس کی انتڑی اور کلیجہ ہلنے لگتا ہے اور اس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے باہر آجاتا ہے، اس طرح وہ اچھا ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ صاحب قبر کی نیکی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ دلیل کفر وشرک وفساد ہے۔ مجلۃ التوحید ص:۱۹))

ایک سائل نے کہا: توسل تو خالص عبادت ہے اس لئے محتاج دلیل ہے، مگر علاج میں تو اصل مشروعیت اور جواز ہے، اس میں اصل عدم تقید ہے (یعنی کسی خاص طریقے کی پابندی لازم نہیں ہے)۔ تو اس تفریق کے متعلق آپ کا کیا جواب ہے؟

علامہ البانی نے فرمایا: ''میرے خیال میں یہ کلام اس وقت صحیح ہوتا جب علاج کا تعلق ایسے امور سے ہوتا جو غیب سے متعلق نہیں ہیں، اس کا تعلق ان چیزوں سے نہیں ہوتا جن کی تعبیر ان دنوں ماورائے مادہ سے کی جاتی ہے، اور جنات اسی قبیل سے ہیں (یعنی ان کا تعلق غیبی چیزوں سے ہے)، اس لئے میں تو اسے (عام علاج کے مسائل میں سے) نہیں مانتا کہ تمہاری بات سے موافقت ظاہر کروں''۔ (کیف یعالج المصروع للالبانی)

شیخ صفوت نورالدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہت سے لوگ جو مارنے، گلا گھوٹنے یا داغنے کا کام کرتے ہیں، اور ان کاموں میں اسراف کا شکار ہوتے ہیں وہ شریعت میں وارد مقررہ حدوں سے باہر چلے جاتے ہیں، اور ایسی چیزوں سے استدلال کرتے ہیں جو دلیل بننے کے لائق نہیں ہیں، مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ موثر مارنا یا گلا گھونٹنا نہیں ہوتا ہے بلکہ موثر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے دعا ہوتی ہے، تب یہ لوگ اعلیٰ سے ادنی کی طرف کیوں منتقل ہوتے ہیں، اور شریعت میں جس چیز کا نفع معلوم ہے وہ اس سے منتقل ہوکر ایسی چیز کی طرف جاتے ہیں جس سے نقصان واقع ہونے کا اندیشہ ہے، اس طرح مریض پر مار اور گلا گھوٹنے کا اثر ہوتا ہے، اور اگر (شفا میں) مار موثر ہوتی تو نبی ﷺ آسیب زدہ پر رقیہ کا حکم دینے کی بجائے کچھ لوگوں کو

اسے پیٹنے پر لگا دیتے۔ (مجلۃ التوحید ص ۲۰-۲۱ شمارہ (۸) سال (۲۴)

پنجم: رقیہ کے لئے فارغ ہو رہنا:

''بہت سے معالجین رقیہ کے لئے فارغ ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور اپنا سارا وقت مریضوں پر رقیہ پڑھنے میں صرف کرتے ہیں، انھوں نے اپنے گھروں کو کشادہ کرلیا ہے اور آنے والے ملاقاتیوں کے لئے مستعد بیٹھے ہیں، اوران کو ایسے اپائنمنٹ دیتے ہیں جیسے مخصوص اسپتالوں میں وقت دیا جاتا ہے، اور اس عمل کو انھوں نے اپنا پیشہ بنالیا ہے، اور اس کا سبب ان کے پاس آنے والی بھاری مادی آمدنی ہے، اور ان کی وجہ سے متعدد مفاسد پیدا ہوتے ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

۱۔ لوگوں کی بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ لوگ ایسا سمجھنے لگتے ہیں کہ بعینہ انہیں قاری صاحب کی کسی خصوصیت کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے، ایسی حالت میں قاری کی اہمیت مقروء (یعنی کلام اللہ) کی اہمیت سے زیادہ بڑھ جاتی ہے، اور ہر وہ ذریعہ جو قرآن پر لوگوں کا اعتماد کمزور کردے اسے کھولنا نہیں بند کر دینا چاہئے۔

۲۔ ہوسکتا ہے کہ خود قاری صاحب کے اندر یہ خیال پیدا ہوجائے کہ شیاطین ان سے ڈرتے ہیں، اور آسیب زدوں کے اندر سے نکل بھاگتے ہیں، اس طرح وہ خود کو اولیائے ابرار میں سے سمجھنے لگیں اور عجب وکبر اور اسی طرح کی دیگر خرابیوں کا شکار ہوجائیں۔

۳۔ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ جیسے بہت سے صحابہ اور اویس قرنی رحمہ اللہ جیسے بہت سے تابعین قبولیت دعا کے لئے شہرت رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود یہ منقول نہیں ہے کہ لوگوں نے ان کے دروازوں پر بھیڑ لگائی ہو اور ان کے یہاں دعا کرانے کے لئے فوج درفوج آتے رہے ہوں، حالانکہ اپنے دین ودنیا کی بھلائی کے لوگ اس کے محتاج تھے۔

۴۔ رقیہ کے لئے خود کو فارغ کرلینے والے کی مثال خود کو دعا کے لئے فارغ کرلینے والوں جیسی ہے کیونکہ رقیہ اور دعا کا تعلق ایک ہی جنس سے ہے، تو کیا کسی طالب علم کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ لوگو! میرے پاس آؤ اور مجھ سے دعا کراؤ!! جبکہ اس کی وجہ سے یہ بھی ہوتا ہے مریض خود اپنا رقیہ کرنے اور اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرنے کی سنت سے دستبردار ہوجاتا ہے۔ (دیکھئے: کتاب الرقی علی ضوء الکتاب والسنۃ ص ۷۵-۸۹) کیونکہ انھوں نے بڑی تفصیل کے اس سلسلے میں بڑی مفید باتیں پیش کی ہیں۔ طبع دار الوطن)

ششم: رقیہ کی اجرت اور فیس میں توسع:

پیشہ ور معالجین نے رقیہ میں اجرت کے حصول میں کافی توسع پیدا کرلیا ہے، جس کی وجہ سے بہت سی ناقابل قبول حالتیں سامنے آرہی ہیں:

۱۔ کبھی کبھی بڑی بھاری رقوم کا مطالبہ کرنا۔

۲۔ مریض کے گھر والے جب تک پیشگی فیس نہ ادا کردیں تب تک رقیہ اور علاج کے لئے آمادہ نہ ہونا۔

۳۔ بالقصد کئی کئی نشستیں منعقد کرنا اور انہیں طول دینا تاکہ ہر نشست کی الگ الگ اجرت حاصل کی جاسکے۔

۴۔ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ اجرت نہیں لیتے ہیں، مگر اس کی جگہ وہ لوگ بھاری مال لے کر پڑھا ہوا پانی بیچتے ہیں جس میں کچھ جڑی بوٹیوں کی بھی آمیزش ہوتی ہے، یہ سب کاروبار اس صورت میں بھی جاری ہے کہ بیشتر حالات میں شفاء نہیں مل پاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معالجین کی شبیہ بہت داغدار ہوجاتی ہے اور یہ تاثر ابھرتا ہے کہ وہ (مادہ پرست) یا (موقع پرست) ہیں۔ اس رائے کے حامل افراد سنت صحیحہ میں وارد کچھ احادیث مثلاً ابوسعید خدری، اور خارجہ بن صلت کے چچا کی حدیثوں یا دیگر ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جن سے

رقیہ کی اجرت لینے کا جواز مستفاد ہوتا ہے۔مگر ان احادیث پر غور کرنے والے پر یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ صحابہ نے مکمل طور پر شفا حاصل ہونے کے بعد ہی اجرت لی تھی، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں آیا ہے کہ: ''انھوں نے اس پر ام الکتاب پڑھی، یہاں تک کہ ایسا لگا جیسے اسے کسی بندھن سے آزاد کردیا گیا ہو، بیان کرتے ہیں: لہٰذا وہ مقررہ عوض جو انھوں نے طے کیا تھا ان کو دے دیا''①، اور ایک دوسری حدیث میں ہے: ''پھر میں نے فاتحۃ الکتاب سے رقیہ کیا اور وہ شفایاب ہوگیا، لہٰذا انھوں نے مجھے سو بکریاں دیں②۔

① (متفق علیہ، بخاری ۲۲۷۶، مسلم ۲۲۰۱، دیکھئے: اس حدیث کی شرح فتح الباری ۴/۵۲۹ طبع ریان میں)

② (حدیث صحیح ہے، اسے ابوداود نے (۳۸۹۶، ۳۹۰۱) روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح ابی داود (۳۹۰۱) میں اس کی تصحیح کی ہے)

ہفتم: خواتین کا علاج:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ماتركت بعدي فتنة أضر على الرجال من النساء'' (متفق علیہ، بخاری ۵۰۹۶، مسلم ۲۷۴۰)

میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے، شیطان نے خواتین کے راستے بہت سے معالجین کو شرعی مخالفتوں کا شکار کیا، اس سلسلے میں اپنے خیال کے مطابق ان کی حجت یہ ہوتی ہے کہ وہ بھی تو اطباء کی طرح معالج ہیں، اور ان کے سامنے حسب ذیل ہیں:

۱- اپنے زعم کے مطابق اثنائے علاج جن کی نوعیت معلوم کرنے کے لئے عورتوں کو دیکھنا، یا وہ عمل جسے ان کی اصطلاح میں نظر سے حقیقت حال معلوم کرنا کہتے ہیں۔ (صاحب المنهج القرآني (ص ۵۱-۵۵)) کا دعوی ہے کہ نظر کے ذریعہ حقیقت حال کا پتہ چلانا اپنے باب میں انوکھی چیز ہے!! اور یہ چیز ان پر اللہ کی مہربانیوں کا حصہ ہے۔

۲- مریضہ کے جسم پر ہاتھ رکھنا اور کبھی کبھی اس کے جسم کے کسی حصے پر تیل کی مالش کرنا۔

۳- کسی محرم کی موجودگی کے بغیر مریضہ پر دم کرنا جس کی وجہ سے خلوت حرام کا ارتکاب ہوتا ہے۔

۴- شرمگاہوں کو کھولنا اور آبروؤں اور حرمتوں کو پامال کرنا۔

یہ سب ان کی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اضطرار مادی اسباب میں واقع ہوتا ہے، کیونکہ کبھی طبیب کو مریض کا آپریشن کرنا پڑتا ہے، اس کا کوئی عضو کاٹ دینے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی کھال چیرنی پڑتی ہے، یا اسے کوئی کڑوی دوا تجویز کرتا ہے، کبھی (بیماری کی وجہ سے) شرمگاہ کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور ایسی جگہ کو چھونا پڑتا ہے جس کا چھونا اس کے لئے (عام حالات میں) حلال نہیں ہوتا ہے، یا اسے کسی ایسی عورت پر نگاہ ڈالنی پڑتی ہے جو اس کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے، کیونکہ بیماری کی تشخیص کے لئے یا دوا تجویز کرنے کے لئے یا علاج کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہوتا ہے، اس لئے وہ مجبور ہوتا ہے اور بڑے ضرر (نقصان) کو دفع کرنے کے لئے ادنی ضرر کا ارتکاب کرتا ہے، مگر جہاں تک شرعی اسباب کی بات ہے تو بس اس میں صرف اللہ سے دعا کی جاتی ہے، اللہ سبحانہ سے شفا طلب کی جاتی ہے، اور اس میں (چھونے وغیرہ کی) کوئی مجبوری نہیں ہوتی ہے، اس لئے -خواہ چھوٹی ہی سہی- اس کام میں معصیت جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس کام میں اطاعت الٰہی کا خاص اہتمام ہونا چاہیے تاکہ دعا اوپر جاسکے، اس لئے بلا محرم نہ خلوت جائز ہے نہ اس کی طرف دیکھنا جائز ہے، نہ اسے چھونا جائز ہے، نہ ان کے علاوہ اور کوئی شرعی مخالفت درست ہے۔ (دیکھئے: ۳۲۵-۳۳۷)

❖ ❖ ❖

ایمانیات

[۲]

قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

(۶) اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

{اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ} (الانعام:۱)۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کو لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا' پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''ظلمات ونور'' سے کیا مراد ہے اس سلسلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے' سدی' قتادہ اور جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے، جبکہ حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفر وایمان ہے، میں (قرطبی) کہتا ہوں کہ لفظ دونوں معانی کو شامل ہے'' (الجامع لاحکام القرآن، ۶/ ۳۶۱)۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر اپنی ذات کی حمد وثنا فرمائی ہے جو کہ اس کی کمال قدرت' وسیع علم ورحمت' اسکی عام حکمت' تخلیق وتدبیر میں اس کی انفرادیت اور نور وظلمات کی تخلیق پر دلالت کرتے ہیں، اور یہ (نور وظلمت) ظاہری وحسی جیسے رات ودن' آفتاب وماہتاب' اور معنوی جیسے جہالت' شک' شرک' نافرمانی اور غفلت کی تاریکیوں نیز علم' ایمان' یقین اور اطاعت کی روشنی (دونوں) کو شامل ہے، یہ ساری چیزیں اس بات پر قطعی دلالت کناں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت اور اس کے لئے دین کو خالص کئے جانے کا مستحق ہے'' (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۲۱۲)۔

(۷) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ} (الانعام:۱۲۲)۔

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اسے ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا، اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال خوشنما معلوم ہوا کرتے ہیں۔

یہ ایک مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس مومن کے لئے بیان فرمائی ہے جو مردہ یعنی ضلالت وگمراہی میں حیران وپریشان تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعہ اس کے دل میں زندگی کی روح پھونکی اور اسے اپنی ہدایت دی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع کی توفیق بخشی (دیکھئے: تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۲/ ۱۶۳)، چنانچہ یہ مومن علم وایمان اور ہدایت کی روح کے فقدان' اللہ کی توحید اور اس کے دین کے احکام سے لاعلمی اور اللہ کے لئے ان چیزوں پر عمل نہ کرنے کے سبب جو اس کی نجات کا ضامن ہو' مردہ دل تھا، تو اللہ تعالیٰ نے جس روح کے ذریعہ اس

کے جسم کو زندہ کیا ہے اسکے علاوہ ایک (دوسری) روح کے ذریعہ اسے زندگی عطا فرمائی، اور وہ اسے اسلام کی ہدایت، اللہ اور اس کی توحید، اسکی محبت اور بغیر ساجھی و شریک کے تنہا اس کی عبادت کی معرفت کی روح ہے، نیز اسے ایک نور عطا فرمایا جسے لیکر وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے وہ قرآن اور اسلام کا نور ہے، تو کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو جہالت، کفر، شرک، شک، گمراہی و اعراض اور نافرمانیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو، اس سے نکل ہی نہ پا تا ہو، اس پر راستے گڈ مڈ اور ہدایت کی راہیں اوجھل ہوگئی ہوں، اور نتیجۃً وہ ہم و غم، حزن و ملال اور بدبختی سے دوچار ہو؟؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عقلوں کو ان چیزوں کی تنبیہ فرمائی ہے جن کا انہیں علم و ادراک ہوسکتا ہو، وہ یہ کہ دونوں (قسموں کے لوگ) اسی طرح کبھی برابر نہیں ہوسکتے جس طرح لیل و نہار، روشنی و تاریکی اور زندے و مردے برابر نہیں ہوسکتے، گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ (ایسی صورت میں) کوئی معمولی عقل والا بھی ایسی حالت میں رہنے اور تاریکیوں میں یونہی حیران و پریشان بھٹکنے پر کیسے آمادہ ہوتا ہے؟ پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: {زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} کافروں کو ان کے اعمال خوشنما معلوم ہوا کرتے ہیں، چنانچہ شیطان ہمیشہ ان کے اعمال کو ان کے دلوں میں مزین و آراستہ کرتا رہا یہاں تک کہ انھوں نے اسے اچھا اور حق سمجھا، نتیجہ یہ نکلا کہ یہ چیز ان کے دلوں میں عقیدہ اور پختہ لازمی وصف کی شکل اختیار کر گئی (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۱۲/۸۸، ومدارج السالکین لابن القیم، ۳/۲۵۸، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۲/۱۶۳ وتیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۲۳۴)۔

(۸) ارشاد باری ہے:

{يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ} (التوبہ: ۳۲)۔

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں۔

اللہ عزوجل نے بیان فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور ان کے ساتھ جو مشرکین ہیں "وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں" اور اللہ کا نور اس کا وہ دین ہے جسے اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکر مبعوث فرمایا ہے اور اللہ نے اسے "نور" کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ جہالت اور باطل ادیان و مذاہب کی تاریکیوں میں اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، کیونکہ وہ (اسلام) حق کے علم و معرفت اور اس پر عمل کا نام ہے اور اس نور میں اللہ کی توحید پر دلالت کناں دلائل بھی داخل ہیں، کیونکہ دلائل و براہین بھی نور ہیں اس لئے کہ ان میں بیان و وضاحت پائی جاتی ہے، چنانچہ یہ یہود و نصاریٰ اور ان کے ہم پیالے وہم نوالے مشرکین چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو محض اپنے باطل اقوال، بحث و مباحثہ اور افترا پردازی کے ذریعہ گل کردیں، ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی آفتاب کی ضیا بار کرنوں یا مہتاب کی روشنی کو اپنی پھونک سے بجھانا چاہے، جس کی کوئی صورت ہی نہیں، نہ تو انہیں اپنا مقصود حاصل ہوا اور نہ ہی ان کی عقلیں ناکارگی اور بودے پن سے ہی محفوظ رہیں (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ۱۴/۲۳۱، ۲۱۴، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۸/۶۱۴، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۲/۳۴۴، وتیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۲۹۵، ۷۹۷)۔

ارشاد باری ہے:

{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَى إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ} (الصف: ۷-۸)۔

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ (افتراء) باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے گو کافر برا مانیں۔

(۹) ارشاد باری ہے:

{قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ} (الرعد: ۱۶)۔

کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتا ہے؟ یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہوسکتی ہے؟۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اندھا اور بینا سے مراد کافر اور مومن ہیں اور تاریکیوں اور روشنی سے مراد ہدایت و گمراہی ہے'' (جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۱۶/ ۴۰۷)۔

(۱۰) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

{كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ} (ابراہیم: ۱)۔

اس کتاب کو ہم نے آپ کی جانب اس لئے اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ''تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں'' یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف لائیں'' (جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۱۶/ ۵۱۲)۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تا کہ آپ لوگوں کو جہالت، کفر، بداخلاقی اور قسم قسم کے گناہ و معاصی سے نکال کر علم، ایمان اور اچھے اخلاق کی طرف لائیں'' (دیکھئے: تیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۵۷۳)۔

(۱۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ} (ابراہیم: ۵)۔

(یاد رکھو جب کہ) ہم نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، اور انہیں اللہ کے احسانات یاد دلائیں، بیشک اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔

یعنی انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف بلائیں (جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ۱۶/ ۵۱۸)۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی جہالت، کفر اور اس کی فروع (شاخوں) سے نکال کر علم، ایمان اور اس کے تابع امور کی طرف لائیں'' (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص ۳۱۶)۔

(۱۲) ارشاد باری ہے:

{اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ} (النور: ۳۵)۔

اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی

روشنی دینے لگے اگر چہ اسے آگ نہ بھی چھوئے' نور پر نور ہے' اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے' لوگوں (کے سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔

فرمان باری تعالیٰ {اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ} کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کا ہدایت دہندہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین یعنی ان میں موجود ستاروں' سورج اور چاند (وغیرہ) کے معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے (جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۱۹/۱۷۷، وتفسیر البغوی، ۳/۳۴۵، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱۱/۲۵۸، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۳/۲۸۰، واجتماع الجیوش الاسلامیہ لابن القیم، ۲/۴۴)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حقیقی بات یہ ہے کہ ان تمام حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے'' (اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجھمیۃ لابن القیم، ۲/۴۶)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے، وہ اللہ کے نور ہی کے سبب حق کی راہ پاتے ہیں اور اس کی ہدایت کے ذریعہ گمراہی سے نجات پاتے ہیں، وہ (اللہ) سبحانہ وتعالیٰ آسمانوں اور زمین کو نورانیت عطا کرنے والا اور ان میں موجود ستاروں' سورج اور چاند کے ذریعہ معاملہ کی تدبیر کرنے والا ہے، وہ بذات خود نور ہے، اس نے اپنی ذات کو نور کے نام سے موسوم کیا ہے اور اپنی کتاب (قرآن کریم)' اپنے رسول (محمد ﷺ) اور اپنے دین (اسلام) کو نور قرار دیا ہے' اور نور ہی کے حجاب سے اپنے بندوں سے اوٹ میں ہے نیز اپنے اولیاء ومحبوب بندوں کی رہائش گاہوں کو چمکتا ہوا نور بنایا ہے (دیکھئے: مرجع سابق، ۲/۴۴)۔

علامہ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا حسی ومعنوی طور پر نور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بذات خود نور ہے اور اس کا حجاب (بھی) ایسا نور ہے کہ اگر وہ اسے کھول دے تو اس کی چہرے کی ضیا بار کرنیں اس کی منتہائے نگاہ تک کی ساری مخلوقات کو جلا کر خاکستر کر دیں گی' اسی (اللہ کے نور) کی بدولت عرش وکرسی' آفتاب وماہتاب اور روشنی کو نور عطا ہوا ہے اور اسی سے جنت کو روشنی ملی ہے، اسی طرح معنوی نور کا مصدر ومنبع بھی اللہ عزوجل ہی کی ذات ہے، چنانچہ اس کی کتاب نور ہے، اس کی شریعت نور ہے، اس کے رسولوں اور مومن بندوں کے دلوں میں ایمان ومعرفت نور ہے' کیونکہ اگر اللہ عزوجل کا نور نہ ہوتا تو تہ بہ تہ تاریکیاں ہوتیں' اور اسی لئے ہر وہ جگہ جہاں اللہ کے نور کا فقدان ہے وہاں تیرگی وتاریکی چھائی ہوئی ہے'' (تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص۵۱۷)۔

اللہ عزوجل کی طرف نور کی نسبت دو طرح سے کی جاتی ہے:

ایک صفت کی نسبت موصوف کی طرف اور دوسرے مفعول کی اضافت فاعل کی طرف۔

پہلے کی مثال جیسے اللہ عزوجل کا فرمان:

{وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا} (الزمر:۶۹)۔

اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی۔

چنانچہ اللہ کے نور سے زمین کی یہ روشنی قیامت کے روز ہوگی جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ فیصلہ فرمانے کے لئے جلوہ افروز ہوگا (دیکھئے: اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجھمیۃ، ۲/۴۵)۔

اللہ تعالیٰ کے لئے نور کی صفت اور فعل کے اثبات نیز یہ کہ اللہ عزوجل آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی مخلوقات کا نور اور انہیں نورانیت عطا کرنے والا ہے، کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے متعدد حدیثیں ثابت ہیں:

۱۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ رات میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو فرماتے:

"اللهم لک الحمد أنت نور السماوات والأرض ومن فيهن، ولک الحمد أنت قيم السماوات والأرض ومن فيهن ...." الحديث (متفق علیہ: صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب التہجد باللیل، ۱/۵۳۲، حدیث (۱۱۲۰)، ومسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، حدیث (۷۶۹))۔

اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، تو آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کا نور ہے، اور تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، تو آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی مخلوقات کا سنبھالنے والا ہے ۔۔۔ حدیث طویل ہے۔

۲۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان پانچ باتیں ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا:

"إن الله عز وجل لا ينام ولا ينبغي له أن ينام، يخفض القسط ويرفعه، يرفع إليه عمل الليل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل عمل الليل، حجابه النور، لو كشفه لأحرقت سبحات وجهه ما انتهى إليه بصره من خلقه" (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قولہ ﷺ: "ان اللہ لا ینام" ۱/۱۶۲، حدیث (۱۷۹))۔

بیشک اللہ عزوجل نہیں سوتا، اور نہ ہی سونا اس کے شایان شان ہی ہے، وہ میزان عدل کو پست و بلند کرتا ہے، اس کی طرف رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے بلند کیا جاتا ہے، اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے چہرے کی ضوفشانیاں اس کی منتہائے نگاہ تک کی ساری مخلوقات کو جلا کر رکھ دیں گی۔

چنانچہ اللہ عزوجل کو نیند نہیں آتی ہے، وہ اس سے منزہ اور پاک ہے، ارشاد باری ہے:

{اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ} (البقرہ: ۲۵۵)۔

اللہ کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں، وہ زندہ، تھامنے والا ہے، اسے نہ تو اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔

"سنة" کے معنیٰ اونگھ کے ہیں، وہ (اللہ) عزوجل میزان کو جھکاتا اور بلند کرتا رہتا ہے، اور (حدیث میں) میزان کو "قسط" یعنی انصاف اس لئے کہا گیا ہے کہ "قسط" کے معنیٰ عدل وانصاف کے ہیں اور میزان سے ہی انصاف قائم ہوتا ہے، مقصود یہ ہے کہ میزان میں جو بندوں کے بلند اعمال اور پست روزیاں وزن کی جاتی ہیں (ان کے سمیت) اللہ تعالیٰ میزان کو بلند اور پست کرتا رہتا ہے، اور کہا گیا ہے کہ "قسط" سے مراد وہ روزی ہے جو ہر مخلوق کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر کے کم کر دیتا ہے اور بلند کر کے کشادہ کر دیتا ہے، واللہ اعلم (دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، ۳/۱۶)۔

نیز اللہ کی طرف رات کا عمل اس (رات) کے بعد آنے والے دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل اس (دن) کے بعد آنے والی رات کے عمل سے پہلے اٹھایا (پیش کیا) جاتا ہے، کیونکہ نگراں فرشتے رات ختم ہونے کے بعد اس (رات) کے اعمال لیکر دن کے شروع میں (آسمان کی طرف) چڑھتے ہیں اور دن ختم ہونے کے بعد اس کے اعمال لیکر رات کے شروع میں

چڑھتے ہیں، واللہ اعلم (دیکھئے: مرجع سابق، ۳/۱۷)۔

اور اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے، یعنی وہ حجاب جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان حائل اور اسے ڈھانپے ہوئے ہے' وہ نور ہے اور اس کے چہرے کی چمک اس کا نور وجلال ہے، اگر اللہ تعالیٰ نور کے نام سے موسوم اس حجاب کو ہٹا دے اور اپنی مخلوق کے سامنے جلوہ افروز ہو جائے تو اس کے چہرے کی چمک اور تاباں کرنیں اس کی ساری مخلوق کو جلا کر رکھ دیں گی، کیونکہ اس کی نگاہ تمام کائنات کو محیط ہے (دیکھئے: مرجع سابق، ۳/۱۷)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: "نور أنی أراہ" وہ ایک نور تھا' میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں!! اور ایک روایت میں ہے: "رأیت نوراً" میں نے محض نور دیکھا ہے (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قولہ ﷺ: "نور أنی أراہ" ۱/۱۶۱، حدیث (۱۷۸))۔

معنیٰ یہ ہے کہ اس کا حجاب نور ہے تو اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں (شرح النووی علی صحیح مسلم، ۳/۱۵)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "۔۔۔میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ انھوں نے فرمایا: اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نور تھا' یا اللہ عزوجل کے دیدار کے درمیان نور حائل ہو گیا تو میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں" (اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجھمیہ، ۲/۴۷)۔

اور فرمان باری تعالیٰ: {مثل نورہ} میں "ہ" ضمیر کی تفسیر میں کئی باتیں کہی گئی ہیں:

۱۔اللہ کے نور کی مثال: یعنی مومن کے دل میں اللہ کی ہدایت کی مثال۔

۲۔مومن کے نور' جو اس کے دل میں قرآن اور ایمان کی شکل میں ہے اس کی مثال۔

۳۔محمد ﷺ کے نور کی مثال۔

۴۔قرآن کریم کے نور کی مثال (دیکھئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۱۹/۱۷۸، ۱۷۹، تفسیر البغوی، ۳/۳۴۵، والجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱۱/۲۶۱، وتفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ۳/۲۸۰)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صحیح بات یہ ہے کہ ضمیر "ھاء" اللہ عزوجل کی طرف لوٹتی ہے' اور معنیٰ ہے بندہ کے دل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نور کی مثال، اور اللہ کے بندوں میں سے اس کے نور سب سے عظیم حصہ اور نصیبہ والے اللہ کے رسول ﷺ ہیں، چنانچہ اس صورت میں ضمیر "ھاء" مذکور یعنی صدر کلام کی طرف لوٹنے کے ساتھ ساتھ (سابقہ) تینوں تقدیرات کو شامل ہے اور یہ تفسیر لفظی ومعنوی دونوں طور پر مکمل ہے، اس نور کی اضافت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب کی جائے گی کیونکہ وہ نور کا محل ہے اور مومن کی طرف کی جائے گی کیونکہ وہ اسے قبول کرنے والا ہے، چنانچہ نور کی نسبت اس کے عطا کرنے اور قبول کرنے والے دونوں کی طرف کی جائے گی، اس نور کے دینے والے' قبول کرنے والے' اس کا محل' اس پر آمادہ کرنے والے اور مادہ سب ہیں، اور آیت کریمہ تفصیلی طور پر ان تمام چیزوں کے بیان پر مشتمل ہے، چنانچہ فاعل (عطا کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہے جو انوار لٹانے والا جسے چاہے اپنے نور کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے، اور قبول کرنے والا بندۂ مومن ہے، قبولیت کا محل اس کا دل ہے، اس پر آمادہ کرنے والی شے اس کی ہمت اور عزم وارادہ ہے، اور مادہ بندہ کا قول وعمل ہے" (اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجھمیہ، ۲/۴۹، ۵۰)۔

❖ ❖ ❖

[۱۰]

عقیدہ و منہج

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ہر جگہ نہیں

محمد مقیم فیضی

یہ بات واضح ہو چکی کہ کلابیہ کا وجود اشاعرہ و ماتریدیہ سے پہلے ہوا ہے، کیونکہ کلابیہ کی ابتدا تیسری صدی کے وسط میں ہوئی تھی، اور جہمیہ و معتزلہ کے بعد یہ پہلا کلامی فرقہ ہے۔ ابن کلاب کی وفات سن (۲۴۳ھ) میں ہوئی تھی، اور چوتھی صدی ہجری کے شروع میں اہل کلام کے باقی فرقے وجود میں آئے۔ ان میں ایک تو اشاعرہ ہیں جو ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ کے ماننے والے ہیں، دوسرے ماتردیدیہ ہیں جو ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ کے پیروکار ہیں، اور یہی دونوں فرقے آج تک موجود ہیں، ہمارے زمانے کے شوافع عام طور پر اشعری اور احناف ماتریدی ہیں۔

۲۔ اشعریت

ابوالحسن اشعری صاحب کلابی مسلک ہی کی توسیع مانے جاتے ہیں، کیونکہ ابوالحسن اشعری کا زمانہ (۲۶۰-۳۲۴ھ) کا ہے، یہ چالیس سال کی عمر تک معتزلی تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بصرہ میں شیخ معتزلہ علی جبائی کے گھر رہا کرتے تھے، پھر انھوں نے معتزلہ کے مسلک سے رجوع کرلیا اور ابن کلاب کی روش پر چل پڑے اور ایک لمبے زمانے تک اس سے متاثر رہے، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ معتزلہ کی تردید، ان کی فضیحتوں کے اظہار اور ان کی پردہ دری کے متعلق ابن کلاب کی کتابوں اور ان کے کلام میں انہیں اپنا مقصود ہاتھ آ گیا تھا، کیونکہ ابن کلاب نے جہمیہ و معتزلہ وغیرہ کے رد میں مختلف کتابیں تصنیف کررکھی تھیں، مگر اشعری کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکی کہ ابن کلاب نے اگرچہ معتزلہ کی تردید کی ہے، ان کے باطل کا پردہ فاش کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات لازمہ کا اس کے لئے اثبات کیا ہے، مگر صفات اختیاریہ کے انکار میں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور قدرت سے ہے ان کی موافقت بھی کی ہے، چنانچہ انھوں نے معتزلہ ہی کی طرح اس بات کی نفی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیئت اور قدرت سے کلام فرماتا ہے، اسی طرح انھوں نے رضا و غضب اور بغض و ناراضگی جیسی صفات اختیاریہ کا بھی انکار کیا ہے۔

اشعری صاحب اس مرحلے میں کافی سرگرم رہے، انھوں نے اسی روش پر چلتے ہوئے معتزلہ کے خلاف کتابیں لکھیں، مناظرے کئے اور دروس دئے۔

پھر ان کی ملاقات حضرت یحییٰ ساجی سے ہوئی اور انھوں نے اہل سنت وحدیث کے جو اصول ان سے حاصل کرنے تھے کئے۔ (مجموع الفتاوی: ۵/۳۸۶، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۷۰۹)۔ ساجی بصرہ کے شیخ اور اس کے حافظ تھے، پھر جب وہ بغداد آئے تو انھوں نے بغداد کے حنابلہ سے کچھ دوسری چیزیں بھی حاصل کیں، اور یہ ان کا آخری دور تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام کے متعلق ان کی مہارت تفصیلی مہارت تھی جبکہ سنت کے متعلق ان کی مہارت اجمالی تھی، اسی لئے انھوں نے ان بعض اصولوں میں معتزلہ کی موافقت کی جن کی وجہ سے وہ سنت کی مخالفت پر کاربند رہے تھے، اور یہ سمجھا کہ ان کے لئے ان اصولوں کے درمیان، اور سنت کی حمایت کے درمیان جمع کرنا ممکن ہوگا جیسا انھوں نے رویت اور کلام اور صفات خبریہ وغیرہ کے مسئلے میں کیا۔ (العلو: ص ۱۵۰، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۷۰۹)

ان کے متعلق سجزی نے فرمایا کہ: ''انھوں نے فروع میں تو رجوع کرلیا تھا مگر اصول میں (پہلے مسلک پر ہی) جمے ہوئے تھے۔ (الرد علی من أنکر الحرف والصوت (ص ۱۶۸)) یعنی معتزلہ کے

ان اصولوں پر قائم رہے جن پر انھوں نے نفی صفات کی بنیاد رکھی تھی مثلاً دلیل اعراض وغیرہ۔ (موقف ابن تیمیہ من الاشاعرۃ: ۱/۳۶۷)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابو محمد عبداللہ بن سعید بن کُلّاب بصری اور ابوالحسن اشعری معتزلہ کی مخالفت کیا کرتے تھے اور منجملہ اصول سنت میں اہل سنت کی موافقت کیا کرتے تھے، مگر علم سنت میں مہارت کی کمی کی وجہ سے اور معتزلہ کے کچھ فاسد اصولوں کو قبول کر لینے کی وجہ سے ان دونوں حضرات کے اعتقاد کے بعض مقامات میں معتزلہ کے معتقدات کی کچھ باتیں داخل ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ سنت کی مخالفت کر بیٹھے ہیں، ہاں یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ انھوں نے مطلق طور پر معتزلہ کی موافقت نہیں کی ہے۔ (الاستقامۃ)

مزید فرمایا: ''ائمہ سنت ابن کلاب اور اشعری پر جو نکیر کیا کرتے تھے وہ ان کے تجہم واعتزال کی باقیماندہ چیزوں کے متعلق ہوا کرتی تھی، مثلاً طریقۂ اَعراض اور ترکیب اجسام کی صحت کا اعتقاد، اور ان افعال سے اللہ تعالیٰ کے اتصاف کا انکار جو اس کی مشیئت اور اختیار سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے مثل دیگر چیزیں بھی ہیں۔ (درء تعارض العقل والنقل)

اشاعرہ مختلف اطوار اور مرحلوں سے گزرے ہیں، پہلا مرحلہ کلامی مواد کے اضافے کا تھا، دوسرے میں اعتزالی مواد کی طرف ان کا جھکاؤ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا، پھر اس عقیدے کو فلسفی مواد کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا۔

چنانچہ متاخر اشاعرہ ایک طرح کی جہمیت بلکہ فلسفہ کی طرف مائل ہوگئے اور اشعری اور ان کے ماننے والے ائمہ کے اقوال سے کنارہ کش ہوگئے۔ (درء تعارض العقل والنقل: ۷/۹۷) قدیم اشاعرہ مثلا ابوالحسن اشعری، ابوعبداللہ بن مجاہد، ابوالحسن باہلی، قاضی ابوبکر باقلانی، ابواسحاق اسفرائینی، ابوبکر بن فورک، ابومحمد بن لبان، ابوعلی بن شاذان، ابوالقاسم قشیری اور ابوبکر بیہقی اور دیگر لوگ بھی اجمالی طور پر صفات خبریہ کا اثبات کرتے تھے۔ (مجموع الفتاوی: ۴/۱۴۷-۱۴۸))

مگر ابوالحسن اشعری کے پیروکاروں میں ابوالمعالی جوینی جیسے متاخرین صرف صفات عقلیہ کا اثبات کرتے ہیں، اور صفات خبریہ کے متعلق ان کا رویہ یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تو ان کی نفی کرتے ہیں اور رازی اور آمدی وغیرہ کی طرح کے کچھ لوگ ان میں توقف کرتے ہیں۔

اور ان میں صفات خبریہ کی نفی کرنے والوں میں کچھ لوگ تو ان کے متعلق نصوص کی تاویل کرتے ہیں اور کچھ ان کے معانی میں تفویض کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔

اشعری اور ان کے اصحاب میں جو ائمہ ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی ایسی تاویل کرنا جو ان کی نفی کی متقاضی ہوں باطل تاویلات ہیں، یہ لوگ صرف تفویض ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ نفی کرنے والوں کی تاویلات کو باطل قرار دیتے ہیں۔ (منہاج السنۃ: ۲/۲۲۳-۲۲۴)

متقدمین ومتاخرین اشاعرہ کے درمیان اشعری عقیدے میں اس اضطراب کا سبب اشاعرہ کا اپنی اشعریت کو زیادہ سے زیادہ اعتزال کی طرف جھکا دینا ہے بلکہ انھوں نے اس کے ساتھ فلسفہ کی بھی آمیزش کر دی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اشاعرہ میں سے کچھ لوگوں نے صفات خبریہ میں معتزلہ کی موافقت کی ہے، اور ان کے جمہور نے حدیث میں وارد صفات میں ان کی موافقت کی ہے جبکہ قرآنی صفات کے متعلق ان کے دو اقوال ہیں:

اشعری باقلانی اور ان کے قدماء تو ان صفات کا اثبات کرتے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگ بعض صفات کا اقرار کرتے ہیں اور ان میں دوسری طرف سے جہمیت پائی جاتی ہے۔

کیونکہ اشعری نے شیخ معتزلہ جبائی کا کلام پی رکھا تھا، اور کلام میں جبائی کی طرف اشعری کی نسبت ان کے اصحاب اور دیگر لوگوں میں متفق علیہ ہے۔

اشعری کے بعد سب سے زیادہ اثبات باقلانی کے یہاں پایا جاتا ہے اور باقلانی کے بعد ابن فورک کے یہاں، کیونکہ انھوں نے قرآن میں موجود بعض صفات کا اثبات کیا ہے۔

مگر جوینی اور ان کی روش پر چلنے والے مذہب معتزلہ کی طرف مائل ہوگئے تھے کیونکہ ابو المعالی صاحب ابوہاشم کی کتابوں کا بہت زیادہ مطالعہ کیا کرتے تھے اور انہیں آثار کی معرفت کم تھی، اس لئے یہ دونوں باتیں ان پر اثر انداز ہوئی تھیں، (منہاج السنۃ: ۲/ ۲۲۳-۲۲۴)) پھر جب ابوبکر باقلانی (ت ۴۰۳ھ) کا دور آیا تو انھوں نے اس میدان میں قدم رکھتے ہی اس طریقے کی پیشوائی کی زمام اپنے ہاتھ لے لی اور اسے مہذب کیا، اس کے لئے ایسے عقلی مقدمات وضع کئے دلائل جن پر موقوف ہوا کرتے ہیں، اور ان قواعد کو اس طرح ایمانی عقائد کے تابع کردیا کہ ان پر ایمان واجب ہوگیا۔ (مقدمہ ابن خلدون: ص ۴۶۵، ط: مصطفیٰ محمد)

انھوں نے اشعری کلامی مذہب کی ایسی اصول سازی اور تنظیم کی کہ اشعری اور معتزلی مذہب کے درمیان منہجی طور پر بہت بڑا تشابہ پیدا ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اشعری صاحب نص کو اساس قرار دیا کرتے تھے اور عقل کو اس کے تابع رکھتے تھے، مگر باقلانی کے یہاں سارا کا سارا عقیدہ اپنے تمام تر مسائل کے ساتھ دائرہ عقل میں داخل ہے۔ (مقدمۃ التمہید للباقلانی (ص ۱۵) بتحقیق خضیری وابوریدۃ)

باقلانی صاحب اشعری مذہب کے دوسرے موسس تسلیم کئے جاتے ہیں۔

ان کے بعد امام الحرمین جوینی (ت ۴۷۸ھ) آئے اور انھوں نے اس عقیدے کی تائید میں منطقی قیاس کا استعمال کیا اور باقلانی کے وضع کردہ بہت سے قواعد کی مخالفت کی مگر انھوں نے اپنی اشعریت میں کچھ اعتزال کی بھی آمیزش کردی جو انھوں نے ابوہاشم جبائی معتزلی کے منتخب کلام سے حاصل کی تھی اس طرح وہ متعدد مقامات پر قاضی اور ان کے ہمنواؤں کے طریقے سے نکل کر معتزلہ کے طریقے کی طرف چلے گئے ہیں۔

جبکہ ابوالحسن اشعری کا کلام ان سے ماخوذ نہیں تھا، بلکہ وہ ان کا کلام ان روایتوں کے ذریعہ نقل کرتے تھے جو لوگ ان کے حوالے سے بیان کیا کرتے تھے۔ (بغیۃ المرتاد (ص ۴۴۸-۴۵۱) بتصرف)

اور متاخر اشاعرہ مثلاً غزالی (ت ۵۰۵ھ)، ابن خطیب رازی (ت ۶۰۶ھ) وغیرہ نے جوینی ہی کے طریقے پر اعتماد کیا ہے، اور انھوں نے جوینی کے داخل کردہ اعتزالی مواد میں فلسفی مواد کی بھی آمیزش کردی اس طرح اشعریت کا بعد وانحراف اور بڑھ گیا۔

غزالی کا کلامی مواد اپنے شیخ جوینی کی ''الارشاد''، ''المؤمل'' اور انہیں جیسی کتابوں سے حاصل کردہ ہے، اس کے ساتھ قاضی ابوبکر باقلانی سے بھی لی ہوئی باتیں شامل ہیں۔ اور ان کا فلسفی مواد ابن سینا کے کلام سے ماخوذ ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ: ''ابوحامد کو شفا'' (ابن سینا کی کتاب) نے بیمار کردیا تھا۔ غزالی نے رسائل اخوان الصفا والوں اور ابوحیان توحیدی کے رسائل اور اسی طرح کی تحریروں سے بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا۔

اور رازی کا کلامی مواد ابوالمعالی اور شہرستانی سے ماخوذ ہے کیونکہ شہرستانی نے اسے بواسطہ انصاری نیساپوری ابوالمعالی سے حاصل کیا تھا، ان کے پاس ابوالحسین بصری (ت ۴۳۶ھ) کا مضبوط اعتزالی کلام بھی ہے۔ اور فلسفہ میں ان کا مواد ابن سینا، شہرستانی اور انہیں جیسوں کے کلام سے ماخوذ ہے۔ (بغیۃ المرتاد (ص ۴۴۸) بتصرف) اشاعرہ میں غالب یہی ہے کہ وہ اسماء اور احکام کے باب میں مرجئہ اور تقدیر کے باب میں جبریہ ہیں۔ جبکہ صفات میں وہ خالص جہمی نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک خاص قسم کی جہمیت پائی جاتی ہے، اور یہ لوگ ائمہ (مسلم حکمرانوں) کے خلاف خروج بالسیف (مسلح بغاوت) کے مسئلے میں عدم خروج کے قائل ہیں اور اہل حدیث کے ہمنوا ہیں اور منجملہ یہ لوگ تمام متکلمین میں اہل سنت اور حدیث کے زیادہ قریب ہیں۔ (مجموع الفتاوی: ۱/ ۵۵)

(ان شاء اللہ جاری ہے)

❖ ❖ ❖

بحث وتحقیق

[۲]

تین طلاق سے متعلق خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا موقف

کفایت اللہ سنابلی

گذشتہ تحریر میں تین طلاق سے متعلق خلفاء راشدین میں سے تین خلفاء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اور عثمان رضی اللہ عنہ کے موقف پر بات ہوچکی ہے علی رضی اللہ عنہ کے موقف پر بات جاری تھی اس سلسلے میں ان روایات کی حیثیت بیان کی جارہی ہی جن میں آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین مانتے تھے۔ ہماری نظر میں اس سلسلے کی تمام روایت ضعیف ہیں سابقہ تحریر جن روایات پر بحث ہوچکی ہے باقی روایت پر آگے بات کی جارہی ہے۔

پانچویں روایت:

امام ابن أبی شیبۃ رحمہ اللہ (المتوفی 235) نے کہا:

حدثنا حميد بن عبد الرحمن ، عن علي بن عمر بن حسين ، عن جعفر ، عن أبيه ، عن علي ؛ في رجل طلق امرأته حمل بعير، قال :لاتحل له حتى تنكح زوجا غيره.

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو اونٹ کے بوجھ کے برابر طلاق سے دی کہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرلے (مصنف ابن أبي شيبة. سلفية:78 /5)

یہ روایت بھی ضعیف ومردود ہے۔

اس کے اندر ایک علت تو وہی ہے جو پچھلی روایت میں بیان ہوئی یعنی جعفر کے والد ''محمد بن علی بن الحسین بن علی بن أبی طالب أبوجعفر الباقر'' کا سماع علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

اس کے ساتھ اس میں ایک دوسری علت یہ بھی ہے کہ اس سند میں موجود علی بن عمر بن حسین غیر معروف ہے۔

شیخ سعد بن ناصر الشثری اپنے نسخہ میں اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

مجهول منقطع، علي بن عمر بن حسين مجهول، و ابو جعفر لايروي عن علي۔

یہ روایت مجھول راوی سے ہے اور منقطع ہے، علی بن عمر بن حسین مجھول ہے، اور ابوجعفر علی سے روایت نہیں کرتے (مصنف ابن أبي شيبة. إشبيليا 215 /10 حاشیہ 5)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی ضعیف ومردود ہے۔

چھٹی روایت:

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ (المتوفی 227) نے کہا:

حدثنا سعيد قال: نا هشيم، قال: أنا ابن أبي ليلى، عن رجل حدثه عن أبيه، عن علي، رضي الله عنه مثل ذلك (يعني رجل طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها، قال: الثلاث والواحدة للبكر سواء۔

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس آدمی نے اپنی عورت کو دخول سے قبل تین طلاق دے دیا تو اس کے حق میں تین طلاق اور ایک طلاق برابر ہے (سنن سعید بن منصور: 307 /1 واسنادہ

ضعیف جدا)

یہ روایت درج ذیل وجوہات کی بنا پر سخت ضعیف ہے۔

اول: علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا نامعلوم ہے اس کا نام تک ذکر نہیں۔

دوم: ابن ابی لیلی کا شیخ رجل بھی نامعلوم ہے اس کا نام تک ذکر نہیں۔

سوم: ابن ابی لیلی یہ محمد بن عبدالرحمن بن أبی لیلی الکوفی ہے۔ اور یہ سخت ضعیف ہے۔

☆امام شعبۃ بن الحجاج رحمہ اللہ (المتوفی 160) نے کہا

ما رأیت أحدا أسو أحفظا من ابن أبی لیلی۔

میں نے ابن ابی لیلی سے زیادہ برے حافظہ والا نہیں دیکھا (الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، ت المعلمی:/ 7 322 واسنادہ صحیح)

☆امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی 241) نے کہا:

کان سیء الحفظ مضطرب الحدیث۔

یہ سیء الحفظ اور مضطرب الحدیث ہے (الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، ت المعلمی:323 /7)

☆امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی 354) نے کہا:

کان ردیء الحفظ کثیر الوهم فاحش الخطأ یروی الشیء علی التوهم ویحدث علی الحسبان فکثر المناکیر فی روایته فاستحق الترک ترکه أحمد بن حنبل ویحیی بن معین۔

یہ بدتر حافظے والا، بہت زیادہ وہم کا شکار ہونے والا اور فحش غلطی کرنے والا ہے، یہ وہم وگمان کی بنا پر حدیثین بیان کر دیتا تھا جس کے سبب اس کی احادیث میں منکرات کی بھر مار ہوگی اور نتیجۃ یہ متروک ہونے کے قابل ٹھہرا امام احمد اور امام ابن معین نے اسے ترک کردیا (المجروحین لابن حبان: 244 /2)

☆محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی 507) نے کہا:

ممن أجمع علی ضعفه۔

یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے (تذکرۃ الحفاظ لابن القیسرانی ص:236)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے اس پر جرح کی بعض نے اس کے سچے ہونے کی گواہی دی ہے لیکن اس کے سیي الحفظ اور ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق واجماع ہے جیسا کہ ابن طاہر القیسرانی نے کہا ہے کما مضیٰ۔

ساتویں روایت:

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی 211) نے کہا:

عن أبی سلیمان، عن الحسن بن صالح، عن مطرف، عن الحکم، أن علیا، وابن مسعود، وزید بن ثابت قالوا: إذا طلق البکر ثلاثا فجمعها، لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره، فإن فرقها بانت بالأولی، ولم تکن الأخریین شیئا.

حکم بن عتیبۃ الکندی علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود وزید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے حوالے روایت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے کہا: جب کوئی شخص (اپنی) باکرہ (غیر مدخولہ بیوی) کو بیک زبان تین طلاق دے دی جائے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرلے، اور اگر الگ الگ جملے میں تین طلاق دے تو ایک جملہ سے عورت جدا ہوجائے گی اور بقیہ دو کا کوئی شمار نہ ہوگا (مصنف عبدالرزاق، ت الأعظمی:336 /6)

یہ روایت ضعیف ومردود ہے کیونکہ اسے علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا الحکم بن عتیبۃ الکندی ہے اور اس کا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں بلکہ اس کی پیدائش علی رضی اللہ عنہ کی

وفات کے دس (10) سال بعد ہوئی ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان سن 40ہجری میں ہوئی ہے۔

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی 852) نے کہا:

مات فی رمضان سنة أربعین۔

علی رضی اللہ عنہ کی وفات رمضان 40ہجری میں ہوئی ہے (تقریب التہذیب لابن حجر: رقم 4753)

☆ اور الحکم بن عتیبۃ الکندی کی پیدائش 50 ہجری میں ہوئی ہے چنانچہ:

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی 354) نے کہا:

ولد سنة خمسین فی ولایة معاویة۔

اس کی پیدائش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں 50ہجری میں ہوئی ہے (الثقات لابن حبان ط العثمانیۃ: 144 /4)

أبوبکر ابن منجویہ (المتوفی 428) نے کہا:

ولد سنة خمسین فی ولایة معاویة۔

اس کی پیدائش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں سن پچاس (50) ہجری میں ہوئی ہے (رجال صحیح مسلم لابن منجویہ 140 /1)

نیز دیکھئے: (تہذیب الکمال للمزی: 120 /7)

معلوم ہوا کہ الحکم بن عتیبۃ الکندی کا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت سننا ناممکن ہو محال ہے۔ لہٰذا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت منقطع وضعیف ہوگی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی 458) علی رضی اللہ عنہ سے الحکم بن عتیبۃ کی ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهذا منقطع، الحکم لم یدرک علیا۔

یہ منقطع ہے الحکم بن عتیبۃ نے علی رضی اللہ عنہ کا دور نہیں پایا ہے (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: 399 /14)

نیز دیکھئے: (تحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل ص: 81)

واضح رہے کہ اس روایت میں الحکم بن عتیبۃ نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات نقل کر رکھی ہے۔ لیکن ان دونوں صحابہ سے بھی اس کی ملاقات نہیں کیونکہ یہ دونوں صحابہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے 32 یا 33 ہجری میں ہوئی ہے دیکھئے: (التاریخ الأوسط للبخاری ت زائد: 60 /1، تہذیب الکمال للمزی: 126 /16)

اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات 45 ہجری میں ہوئی ہے۔ دیکھئے: (الوفیات لابن قنفذ ص: 61، تاریخ مولد العلماء ووفیاتہم 144 /1)

آٹھویں روایت:

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی 365) نے کہا:

حَدثنا مُحمد بن عَبد الوهاب بن هشام، حَدثنا علی بن سلمة اللبقی، حَدثنا أَبو أسامة، عن الأَعمَش، قال: کان بالکوفة شیخ یقول: سَمعتُ علی بن أبی طالب یقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد یرد إلی واحدة، والناس عنقا واحدا إذ ذاک یأتونه ویسمعون منه، قال: فأتیته فقرعت علیه الباب فخرج إلی شیخ، فقلت له: کیف سمعت علی بن أبی طالب یقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد؟ قال: سمعت علی بن أبی طالب یقول: إذا طلق رجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فإنه یُرد إلی واحد. قال: فقلت له: أَنّی سمعت هذا من علی؟ قال: أُخرج إلیک کتابی، فأخرج کتابه فإذا فیه: بسم الله الرحمن الرحیم، هذا ما سمعت علی بن أبی

طالب يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا في مجلس واحد فقد بانت منه، ولا تحل له حتى تنكح زوجا غيره. قال: قلتُ: ويحك هذا غير الذي تقول! قال: الصحيح هذا، ولكن هؤلاء أرادوني على ذلك.

امام اعمش کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک شیخ تھا جو کہتا تھا کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو اسے ایک مانا جائے گا۔اور لوگ جوق درجوق اس کے پاس آتے اور اس سے سنتے ۔کہتے ہیں کہ پھر میں اس کے پاس آیا اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو میرے سامنے یہ شیخ نکلا تو میں نے اس سے پوچھا تم نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے کیسے سنا ہے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے؟ تو اس نے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو اسے ایک مانا جائے گا۔کہتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا: تم نے علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہاں سنا ہے؟ اس نے کہا میں آپ کو اپنی کتاب دکھاتا ہوں، پھر اس نے اپنی کتاب نکالی تو اس میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو وہ اس سے جدا ہوجائے گی اور اس کے لئے تب تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرلے۔کہتے ہیں پھر میں نے کہا: تیرا ستیاناس ہو یہ تو اس کے برعکس ہے جو تو بیان کرتا ہے ! تو اس نے کہا: صحیح یہی ہے لیکن یہ لوگ مجھ سے یہی سننا چاہتے ہی (الكامل لابن عدى طبعة الرشد: 332 /1ومن طريق ابن عدى اخرجه الخطيب فى الكفاية ، ت السورقى: ص: 150و البيهقى فى السنن الكبرى ط الهند: / 7 339وذكره السيوطى فى الدر المنثور 669 /1)

امام اعمش نے جس کوفی شیخ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے اس کا نام ذکر نہیں کیا ہے نامعلوم یہ شخص کون ہے ! اس لئے اس کا کوئی بیان ہی معتبر نہیں۔

نیز اس روایت سے اس کا کذاب ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ باعتراف خود اپنی لکھی گئی بات کے خلاف ڈنکے کی چوٹ پر روایت بیان کرتا ہے جو صریح جھوٹ ہے اس لئے اس جھوٹے شخص کی کسی بات کا اعتبار نہیں۔

نوی روایت:

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی 211) نے کہا:

عن إبراهيم بن محمد، عن شريك بن أبي نمر قال: جاء رجل إلى علي، فقال: إني طلقت امرأتي عدد العرفج قال: تأخذ من العرفج ثلاثا، وتدع سائره.

شریک بن ابی نمر کہتے ہیں کہ ایک شخص علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا : میں نے اپنی بیوی کو عرفج (ایک پودے کا نام) کی تعداد کے برابر طلاق دی ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: عرفج سے تین کی عدد لے لو اور باقی چھوڑ دو۔(مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمى: 394 /6)

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔اسے بیان کرنے والا امام عبدالرزاق کا استاذ ,ابراہیم بن محمد یہ ,ابراہیم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمی ہے اور یہ کذاب ہے۔

☆امام یحیی بن سعید رحمہ اللہ (المتوفی 198) نے کہا:

كنا نتهمه بالكذب۔

ہم اسے کذب سے متہم کرتے تھے (ضعفاء العقیلی: 63 /1 واسنادہ صحیح)۔

☆امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی 233) نے کہا:

إبراهيم بن أبي يحيى ليس بثقة كذاب۔

ابراہم بن ابی یحی ثقہ نہیں ہے یہ بہت بڑا جھوٹا ہے(الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم 126 /2)۔

☆امام علی بن المدینی رحمہ اللہ(المتوفی 234)نے کہا:

ابراهيم بن أبي يحيى كَذّاب

ابراہم بن ابی یحیی بہت بڑا جھوٹا ہے(سؤالات ابن أبي شيبة لابن المدینی: ص:124)۔

☆امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ(المتوفی 277)نے کہا:

إبراهيم بن أبي يحيى كذاب متروك الحديث۔

ابراہیم بن ابی یحیی بہت بڑا جھوٹا اور متروک الحدیث ہے۔(الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم 126 /2)۔

یہ صرف وہ اقوال ہیں جن میں اہل فن نے راوی مذکور کو کذاب کہا ہے، اس کے علاوہ جو شدید جرحیں اس پر ہوئی ہیں اس کے لئے تہذیب اور عام کتب رجال کی طرف مراجعت کی جائے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کرنے والے شریک بن عبداللہ بن أبی نمر ہیں اور علی رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں پانچویں طبقہ کا راوی بتلایا ہے(تقریب التہذیب لابن حجر: رقم 2788)

اور اس طبقہ کے رواۃ کی صرف ایک دو صحابہ ہی سے ملاقات ہے۔(تقریب التہذیب لابن حجر، ت عوامۃ: ص:74)

یعنی کبار صحابہ سے ان کی ملاقات نہیں ہے۔

لہٰذا یہ روایت موضوع و من گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ سنداً منقطع بھی ہے۔

خلاصہ:

خلفائے راشدین میں سے کسی ایک سے بھی یہ شرعی فتوی ثابت نہیں ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک مجلس کی تین طلاق شرعاً تین شمار ہوگی۔

☆ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک شمار کرنے پر اجماع تھا۔

☆عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کے ابتدائی دو سال میں بھی امت کا اسی بات پر اجماع تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاق شرعاً ایک ہی شمار ہوگی۔ بعد میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بطور شرعی فتوی نہیں بلکہ از روئے سیاست بطور سزا یہ قانون نافذ کر دیا کہ تین طلاق کو تین شمار کیا جائے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ بعد میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سیاسی فرمان سے بھی رجوع کر لیا تھا لیکن یہ روایت منقطع ہے۔

☆عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد صدیقی کے اجماعی موقف سے اختلاف ثابت نہیں ہے ان کے حوالے سے دو روایت میں آتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین شمار کرتے تھے لیکن یہ دونوں روایات ضعیف و مردود ہیں لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ کا تین طلاق کو تین ماننے کا فتوی ثابت نہیں ہے۔

☆علی رضی اللہ عنہ کی طرف صراحتا یہ فتوی منسوب ہے کی آپ ایک وقت میں دی گئی تین طلاق کو ایک طلاق مانتے تھے لیکن اس کی سند دستیاب نہیں ہے، تاہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کے ابتدائی دو سال تک امت کا جو اجماعی موقف تھا کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاق شرعاً ایک ہی شمار ہوگی اس سے علی رضی اللہ عنہ کا اختلاف کرنا ثابت نہیں ہے۔ جن روایات میں یہ آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ایک وقت کی تین طلاق کو تین شمار کرتے تھے یہ ساری روایات ضعیف و مردود ہیں۔ ❖ ❖ ❖

احکام شریعت

ماہ شعبان : فضائل و بدعات

ابوابراہیم کمال الدین سنابلی بدایونی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں شریعتِ محمدیہ مکمل ہوچکی اور ہمیں اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ" رسول تمہیں جو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ" (سورۃ الحشر: آیت: 7)

شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اندر لچک رکھنے کے باوجود کسی بھی قسم کی کمی و بیشی کو قبول نہیں کرتی، اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے شریعت کے احکامات کی تفصیلات و جزئیات بیان کر دیں، اب ہمیں شریعت سے نہ تو کسی چیز کو کم کرنے کا اختیار ہے اور نا ہی دین اسلام میں کسی چیز کے اضافے کا حق حاصل ہے، اگر کوئی اضافہ کر بھی دے تو وہ نا قابلِ قبول ہے، بدعت ہے، اس اصول کو سمجھنے کے بعد آیئے جانیں کہ ماہ شعبان کے کیا فضائل ہیں اور شعبان کے مہینے میں وہ کونسی چیزیں ہیں جو "محدثات و بدعات" کے زمرے میں آتی ہیں۔

ماہ شعبان کے روزے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے، ان نفلی روزوں کے لیے آپ کو سب سے زیادہ محبوب مہینہ شعبان کا تھا، شعبان میں آپ کثرت سے روزے رکھتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

كان رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم يصومُ حتى نقولَ لا يُفطِرُ، ويُفطِرُ حتى نقولَ لا يصومُ، فما رأيتُ رسولَ اللهِ ﷺ استكمَلَ صيامَ شهرٍ إلا رمضانَ، وما رأيتُه أكثرَ صيامًا منه في شعبانَ۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر:1969)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے، یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزے نہیں چھوڑتے، (اور کبھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے چھوڑتے، یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزے نہیں رکھتے، اور میں نے آپ کو رمضان کے علاوہ کبھی کسی مہینے میں پورے مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا، اور رمضان کے بعد ماہ شعبان سے زیادہ آپ کو روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (بخاری، حدیث نمبر:1969)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے سب سے زیادہ شعبان کے مہینے میں رکھتے تھے، آپ کو اس ماہ میں روزے رکھنا بہت پسند تھا، جیسا کہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كانَ أحبَّ الشُّهورِ إلى رسولِ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ علَيهِ وسلَّمَ أن يَصومَهُ: شعبانُ، ثمَّ يصلُهُ برمضانَ"۔ (صحیح أبي داود، حدیث نمبر: 2431، صحیح النسائی: 2349، صحیح الترغیب:1024)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مہینوں میں سب

سے زیادہ محبوب ماہ شعبان میں روزے رکھنا تھا، پھر آپ اس کے بعد رمضان کے روزے رکھتے (صحیح ابو داود، حدیث نمبر:2431)

نصف شعبان کے بعد روزے رکھنا:

ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب نصف شعبان ہوجائے تو روزہ نہ رکھو"

(سنن ابوداود حدیث نمبر:3237، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر:1651، سنن ترمذی حدیث نمبر:738) بعض علماء نے اگرچہ اس روایت کوضعیف کہا ہے لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ترمذی (حدیث نمبر:590) میں اسے صحیح قرار دیا ہے)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزے نہیں رکھنے چاہئیں لیکن دوسری کئی احادیث سے نصف شعبان کے بعد بھی روزے رکھنے کا ثبوت ملتا ہے، مثال کے طور پر یہ حدیث:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رمضان المبارک سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو، لیکن وہ شخص جو پہلے روزہ رکھتا رہا ہے (یعنی اسے روزہ رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں) (صحیح بخاری حدیث نمبر:1914، صحیح مسلم حدیث نمبر:1082)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزے رکھنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو عادتا روزہ رکھ رہا ہے مثلا کسی شخص کی عادت ہے کہ وہ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتا ہے یا پھر ایک دن روزہ رکھتا ہے اور ایک دن نہیں رکھتا تو اس کے لیے روٹین کے مطابق روزہ رکھنا جائز ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے نصف شعبان کے بعد روزے رکھنے والی نہی والی حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ہمارے بھائی علامہ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے، اوراس حدیث سے مراد یہ ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزے رکھنے شروع کیے جائیں (یعنی نصف شعبان کے بعد روزے شروع کرنا منع ہے) لیکن جوشخص مہینے کے اکثر ایام یا پھر تقریبا سارا مہینہ ہی روزے رکھتا ہے تو وہ سنت پر عمل پیرا ہے. (دیکھیں مجموع فتاوی الشیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالی (15/385)

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ تعالی ریاض الصالحین کی شرح میں کہتے ہیں:

اگر حدیث صحیح بھی ہوتو اس میں وارد نہی تحریم کے لیے نہیں بلکہ صرف کراہت کے لیے ہے، جیسا کہ بعض اہل علم رحمہم اللہ نے بھی ایسا ہی اخذ کیا ہے، لیکن جس کی روزہ رکھنے کی عادت ہو وہ روزہ رکھ سکتا ہے چاہے نصف شعبان کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

(دیکھیں شرح ریاض الصالحین (3/394)

غیر ثابت شدہ فضائل وبدعات:

1۔ خاص پندرہویں شعبان کا روزہ اور اس رات کی عبادت:

بعض حضرات خاص پندرہویں شعبان کا روزہ رکھتے ہیں اور اس رات کو نفلی عبادت کرتے ہیں، ماہ شعبان میں اس خصوصی عبادت کے لیے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے لیکن وہ روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے، روایت اس طرح ہے:

عن علی بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا ,فيقول ألا من مستغفرفأغفرله, ألا مسترزق فأرزقه ,ألا مبتلى فأعافيه ,ألاكذا ألا كذا ,حتى يطلع الفجر" (ابن ماجۃ،حدیث نمبر:1390)

" حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتو اس رات کا قیام کرواور اس دن روزہ رکھو، اسلئے کہ اللہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور کہتے ہیں :کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اسکی مغفرت کروں؟ کوئی رزق کا متلاشی ہے کہ میں اسے نوازوں ,کوئی مصیبت کا مارا ہے کہ میں اسے عافیت بخشوں، کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا ہے، حتی کہ طلوع فجر کا وقت ہوجاتا ہے" (ابن ماجہ:1390)

لیکن یہ روایت ضعیف وموضوع ہے، اس کی سند میں ایک راوی ہے" ابن ابی سبرہ" (ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ)، امام احمد اور ابن معین اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ احادیث گھڑتا تھا، علامہ البانی فرماتے ہیں :" ضعيف جدا أو موضوع "،(تفصیل کے لیے دیکھیے :ضعیف ابن ماجۃ،رقم:294)

لہٰذا پندرہویں شعبان کی رات کو قیام اور پندرہویں شعبان کے دن کو روزہ رکھنے کے لیے خاص کرنا درست نہیں ہے اور اس سلسلے میں پیش کی جانے والی مذکورہ روایت ضعیف وموضوع ہونے کی وجہ سے ناقابلِ استدلال ہے، اس لیے بلاتخصیص ماہ شعبان میں جب چاہیں روزہ رکھیں۔

بعض حضرات کا عجیب رویہ:

پندرہویں شعبان کی رات میں عبادت کرنے کو(جو کہ ایک غیر ثابت چیز ہے) بعض حضرات اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اس کے سامنے لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے ان کا ذوق وشوق پھیکا پڑ جاتا ہے، شب قدر میں چاہے وہ نہ جاگیں لیکن پندرہویں شعبان کی رات میں ضرور جاگیں گے، یہ بھی شیطان کا ایک ہتھکنڈہ ہے کہ اس نے ان کو اصل سے ہٹا کر" بے اصل" پر لگا دیا ہے فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ بعض حضرات نے تو اس قدر غلو کیا کہ وہ پندرہویں شعبان کی رات ہی کو شب قدر سمجھ بیٹھے، جب کہ شب قدر کا رمضان میں ہونا منصوص ہے۔

2۔پندرہویں شعبان کی رات چراغاں کرنا:

اس رات بہت سے لوگ گلی، محلوں، سڑکوں اور قبروں پر چراغاں کرتے ہیں، قبروں پر چراغاں کرنا تو عام دنوں میں بھی منع ہے، رہا گلی محلوں کا روشن کرنا تو جب اس رات کی کوئی خصوصی فضیلت نہیں ہے(اس رات کے تعلق سے ایک روایت کو اگر چہ علامہ البانی نے حسن کہا ہے لیکن جمہور کے نزدیک وہ بھی ضعیف ہے، پھر اس میں بھی عبادت اور چراغاں کا حکم نہیں ہے) تو اس رات کو گلی محلوں اور قبرستانوں کو روشن کرنا چہ معنی دارد؟ جن راتوں کی فضیلت ثابت ہے ان میں بھی گلیوں، بازاروں کو الگ سے سجانے کا حکم نہیں چہ جائے کہ آپ ایسی رات کے لیے یہ سب کریں جس کے فضائل ثابت نہیں اور قبروں پر چراغاں کرنا تو ممنوع وحرام ہے(البتہ اگر رات میں تدفین کی جا رہی ہوتو ضرورت کے تحت روشنی کی جا سکتی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: لعن رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم زائراتِ القبورِ والمتَّخِذينَ عليها المساجدَ والسُرُجَ۔ (راوی: عبداللہ بن عباس، سنن الترمذی، حدیث نمبر: 320، ابو داود، حدیث نمبر: 3236، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: 3180)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں، قبروں پر مساجد بنانے والوں اور قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے" (ابو داود: 3236)

3۔قبرستان جانا:

پندرہویں شعبان کی رات کو قبرستان جانے کے لیے خاص کرنا بھی درست نہیں ہے، بغیر تخصیص کے قبرستان آپ جب چاہیں جائیں بلکہ جانا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها۔ (مسلم، رقم الحدیث: 1977)

''میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب ان کی زیارت کیا کرو" (مسلم، حدیث نمبر: 1977)

اس تعلق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ انتہائی ضعیف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ استدلال ہے، روایت اس طرح ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے (حجرہ میں) موجود نہ پایا تو میں آپ کی تلاش میں نکل پڑی، (اچانک) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کے بقیع نامی قبرستان میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا ہوا ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: "کیا تمہیں یہ ڈر تھا کہ اللہ اور اس کے رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے جواباً عرض کیا'' میں نے گمان کیا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کو معاف فرماتے ہیں (ترمذی، حدیث نمبر: 739، ابن ماجہ، مسند احمد)

تبصرہ: امام ترمذی رحمہ اللہ درج بالا روایت ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''اس حدیث کو ہم صرف حجاج بن ارطاط کی سند سے جانتے ہیں، میں نے امام بخاری سے سنا کہ آپ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کے دو راوی یحی بن ابی کثیر اور حجاج کا بالترتیب عروہ اور یحی بن ابی کثیر سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: 739)، نیز علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے (دیکھیے: ضعیف الترمذی: 739، ضعیف ابن ماجۃ: 262)

4۔روحوں کی آمد:

پندرہویں شعبان کی رات کے تعلق سے مثل ہندوانہ عقائد ایک یہ بھی عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ اس رات فوت شدہ گھر والوں کی ارواح گھر آتی ہیں، ساری رات گھر میں رہتی ہیں اور صبح کو واپس چلی جاتی ہیں، لہذا ان کی ضیافت و مہمان نوازی کے طور پر اگر حلوہ اور شیرینی کا اہتمام کیا گیا ہو تو وہ اپنے گھر والوں سے خوش ہوتی ہیں ورنہ ناراض ہوتی ہیں (استغفر اللہ)

ذرا سوچیے! کیا آپ کو یہ مسلمانوں جیسا عقیدہ لگتا ہے؟؟؟

روحوں کا دنیا میں گھومنا پھرنا، روحوں کا دوسرا روپ دھارن کرنا (اپنانا)، روحوں کا اپنے گھر والوں سے ملاقات کرنا، یہ اور اس جیسے عقائد غیروں کے ہیں، اہل ایمان کا اس طرح کے عقائد سے کوئی واسطہ نہیں ہونا، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ (سورۃ المؤمنون، آیت:100)

یعنی مرنے کے بعد وہ ایسے عالم برزخ میں ہیں کہ قیامت تک وہ دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

عوام کے اس طرح کے عقائد کی اصلاح کی ذمہ داری علماء کی تھی لیکن افسوس صد افسوس کہ بہت سے علماء کی کتابوں میں بھی دنیا میں ارواح کے واپس آنے کے عقیدے کو سپورٹ کیا گیا ہے، کوئی مرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو مٹھائی دینے کے لیے آ رہا ہے، کوئی وفات کے بعد اپنے کسی عزیز کو نصیحت کرنے آ رہا ہے کہ مدرسے کے فلاں فلاں کے جھگڑے میں تم مت پڑو، کوئی یہ دعوی کر رہا ہے کہ اس کے مدرسے کے چندے کا حساب تو حضور لے کر گئے ہیں، (اس طرح کے واقعات کی سیر کرنے کے لیے دیکھئے "ارواح ثلاثه یعنی حکایات اولیاء ") اللہ کی پناہ ایسے عقائد سے۔

5-ہزاری نماز (الصلاۃ الألفیه)

اس نام سے پندرہویں شعبان کی رات کو ایک نماز پڑھی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسے پڑھ کر ہم گناہوں سے بالکل پاک وصاف ہو جائیں گے، جبکہ معاملہ یہ ہے کہ اس نام کی کوئی نماز شریعت اسلامیہ میں ہے ہی نہیں۔(المنار المنیف لإبن القیم، ص:98)

6-حلوہ خوروں کی حلوہ خوری:

اس ماہ کی ایک خاص بدعت حلوے سے جڑی ہوئی ہے، حلوہ پکانا، حلوے پہ فاتحہ لگوانا اور حلوہ کھانا، جب پوچھا جائے کہ جنابِ والا حلوہ تو آپ حضرات کبھی بھی کھا سکتے ہیں، خاص شعبان میں حلوہ گیری دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ تو میاں عاشق حلوہ پان کی پیک ایک طرف مارتے ہوئے گویا ہوتے ہیں: "ارے بھئی! مصطفٰی جان رحمت حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے نا؟" ہم نے کہا: ہاں ہاں ہوئے تھے، تو پھر؟"

" تو پھر آپ کو حلوہ کھلایا گیا تھا، بس اسی لیے ہم بھی حلوہ کھاتے ہیں"

ہم کہتے کہ اگر آپ حضرات کے پاس اتنا ہی علم ہوتا تو حلوے کی اس بدعت میں گرفتار نہ ہوتے، اللہ کے بندو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک والا واقعہ جنگ احد میں پیش آیا ہے اور جنگ احد شوال 3 ہجری میں واقع ہوئی ہے اور آپ حضرات حلوہ کھا رہے ہیں شعبان کے مہینے میں؟ اور پھر یہ بھی تو ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ انہیں ایام میں حلوہ کھایا تھا،" حلوہ" عربی میں میٹھی چیز کو کہتے ہیں، بیشک رسول اللہ صلی اللہ کو میٹھی چیز پسند تھی لیکن اس سوجی والے حلوے کا ذکر کہاں ہے کہ یہ سنت ہے؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ماہ شعبان میں حلوے کی یہ رسمیں ادا کی تھیں؟ زخم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگا اور حلوہ آپ حضرات کھاتے ہیں، کتنی عجیب بات ہے:

کسی کو زخم لگے، کھائے دوسرا حلوہ...
یہودیوں کی طرح یہ ہے من اور سلوی...

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

مسلم پرسنل لاء بورڈ اور حالات کے تقاضے

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

تین طلاق کا مسئلہ ایک بار پھر سرخیوں میں ہے۔ ملک میں تین طلاق کا مدّا مذہبی سے زیادہ سیاسی ہوتا جارہا ہے مسلم پرسنل لاء بورڈ کا گھیراؤ چاروں طرف سے جاری ہے۔ ایک طرف ملک میں زعفرانی سیاست کرنے والی پارٹیاں ہیں جو لو جہاد، گئو رکشا، اور تین طلاق جیسے جذباتی ایشوز کو گرمائے رکھتی ہیں۔ تاکہ ان کی آڑ میں وہ اپنی سیاسی ناکامیاں اور وعدہ خلافیاں چھپا سکیں۔ حکومت تین طلاق کے مسئلہ کو جس سطح پر اور جتنا زوردار انداز میں اٹھا رہی ہے اس سے ایسا لگتا ہے جیسے تین طلاق ہی اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ملک کی ترقّی اور خوشحالی میں سب بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ جس ملک میں اقلیتوں کی جانیں محفوظ نہ ہوں۔ ہر دو چار دن پر اخبار میں گئو رکشک دہشت گردوں کے ہاتھوں کسی غریب مسلمان کے قتل کی خبر چھاپ رہے ہوں وہاں تین طلاق کو قوم کا سب سے بڑا مسئلہ بنا کر پیش کرنا صرف ایک سیاسی چال ہے اور کچھ نہیں۔ دوسری طرف ان پارٹیوں کی خدمت پر مامور میڈیا ہے جس کا کام حکومت کے سر میں سر ملانا ہے۔ تیسری طرف طارق فتح اور جاوید اختر جیسے ملحد اور مذہب بیزار خود ساختہ دانشوران ہیں جن کو یہ میڈیا اسلام کا حقیقی نمائندہ اور مسلم خواتین کا سچا ہمدرد بنا کر پیش کرتا ہے۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی عاقبت نا اندیشی ہے کہ وہ اپنی مسلکی انا کو قائم رکھنے کے لیے باطل طاقتوں کو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا موقع خود ہی دے رہا ہے۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کو تین طلاق کے مسئلہ میں بیک فٹ پر جا کر اپنے مسلک کا دفاع کرنے کے بجائے اسلام کا صحیح اور سہل حکم تسلیم کر لینا چاہیے لیکن بورڈ کے بزرگ ذمہ داران وقت کی آواز سننے سے قاصر ہیں۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ ملک کی سب سے بڑی ملّی تنظیم ہے۔ اپنے سارے مسلکی اور فقہی اختلافات کے باوجود ملک کے مسلمان جتنا اعتبار مسلم پرسنل لاء بورڈ پر کرتے ہیں اتنا اعتبار ملک کی کسی اور تنظیم کو حاصل نہیں۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ اگر اعتبار کی اس فضاء کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے کسی مسلک کے بجائے حقیقی اسلام کا نمائندہ ہونا چاہیے۔ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین ماننا اسلام کا نہیں کچھ مسالک کا فیصلہ ہے۔ لیکن اس فیصلہ سے ملکی سطح پر بدنام اسلام ہو رہا ہے۔ ملک میں ایسے مسالک کی بھی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے جو ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک مانتے ہیں۔ اگر بورڈ کسی مسلک کے بجائے پوری ملّت کا نمائندہ ہے تو ان مسالک کا موقف بھی اسی زور کے ساتھ بورڈ کے اسٹیج سے آنا چاہیے جو حنفی مسلک کے فتویٰ سے اتفاق نہیں رکھتے۔

اسلام نے نکاح کی طرح طلاق کا مکمل ضابطہ طے کر دیا ہے۔ یہ ضوابط شوہر اور بیوی دونوں کی مصلحتوں کے موافق ہیں۔ اسلام نے نکاح اور طلاق کے مسئلہ میں سارے امکانی فساد کے راستے بند کر دیے ہیں۔ شریعت نکاح کے معاملہ کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے بھی ایک انسان کو غور

وفکر کے لیے ضرورت بھر مہلت دیتی ہے۔ واپسی کے لیے بھی دو چانس دیتی ہے۔ یہی انسان کی فطرت کا تقاضہ اور شریعت کا مطلوب ہے۔ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین مان لینا شریعت کے اس صریح مقصود متصادم ہے۔

ایک مجلس میں تین طلاق شریعت کے حکم کے ساتھ کھلواڑ اور دین کا مذاق ہے۔ اللہ کے احکام اس لیے نازل کیے گئے ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے۔ ان کی خلاف ورزی نا قابل التفات ہونی چاہیے۔ ایک مجلس میں تین طلاق کا عمل بدعت ہے اور بدعت کا مقام یہ ہے کہ وہ ردّ کردی جائے۔ شریعت کے خلاف کیے گئے بدعتی عمل اگر نافذ کردیا جائے تو شریعت کے نزول کا فائدہ ہی کیا ہوا؟

تین طلاق کو تین ماننے کے لیے حنفی علماء کی سب سے بڑی دلیل حضرت عمر کا حکم ہے۔ تین طلاق کو ایک ماننے کے زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چلے آرہے حکم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وقت کی مصلحت کے پیش نظر تبدیل کردیا تھا۔ تین طلاق کے معاملہ میں شریعت کے اصل حکم کے ساتھ ساتھ تین طلاق کے مسئلہ پر مصالح کی حیثیت سے بھی غور کیا جانا چاہیے۔ ہمارے یہاں حنفی علماء سب سے زیادہ مقاصد شریعت اور مصالح کی بات کرتے ہیں۔ تین طلاق کے مسئلہ میں بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے بجائے حضرت عمر کے اصول کو سامنے رکھیں اور غور کریں کہ اگر حضرت عمر اپنے زمانہ کی ضرورت کے حساب سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے چلے آرہے ایک حکم کو تبدیل کرسکتے ہیں تو ہمارے دور کے علماء جو اولوالامر کی حیثیت رکھتے ہیں اپنے زمانہ کے تقاضوں اور مصلحتوں سے موافقت پیدا کرنے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم کیوں نہیں تبدیل کرسکتے؟

نکاح جیسا اہم رشتہ جس پر صرف میاں بیوی ہی نہیں ان کے بچّوں اور خاندانوں کا انحصار ہوتا ہے اس عظیم رشتہ کو زبان سے نکلنے والے تین الفاظ کے ساتھ رجوع کی مہلت دیے بغیر یک بارگی ختم کردینا اسلام کے مزاج کے موافق کیسے ہوسکتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں طلاق کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ظھار کا تھا۔ جس میں شوہر اپنی بیوی سے کہتا انت علیّ کظھر امّی۔ زبان سے نکلنے والے اس ایک جملے کے ساتھ ہی بیوی بغیر کسی مہلت اور رجوع کے اختیار کے شوہر پر ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام ہوجاتی۔ شریعت کے نزول کے وقت طلاق کا یہ طریقہ باقی رہا۔ پھر ایک عظیم صحابیہ سے ساتھ جب ظھار کا معاملہ پیش آیا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلاق کے واقع ہوجانے کا فیصلہ سنایا۔ صحابیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے مایوس ہوکر اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور ان کی دعا کے نتیجہ میں ظھار کا حکم منسوخ کیا گیا اور اس کے کرنے والے کے لیے کفارہ کا حکم نازل کیا گیا۔ نکاح کے رشتہ کو بغیر مہلت دیے ایک بار میں ختم کردینا اگر اسلام کے مقصود سے کسی بھی طور پر موافق ہوتا تو ظھار کا حکم منسوخ ہی کیوں کیا جاتا۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق از روئے شریعت ایک ہی شمار کی جانی چاہیے۔ یہی شریعت کا حکم ہے۔ یہی بات قرآن وسنّت کے نصوص کے موافق اور سماج کی مصلحتوں کے مطابق ہے۔ خود حنفی علماء کی ایک بہت بڑی تعداد تین کو ایک شمار کرنے کی قائل ہے۔ دنیا کے اکثر مسلم ممالک میں تین کو ایک ماننے کا قانون موجود ہے۔ حنفی فقہ تمام فقہی مسالک کی بنسبت زیادہ پروگریسیو ہے۔ حیل کا باب کھلا ہونے کی وجہ سے حنفی فقہ میں گنجائش پیدا کرنے کے کافی امکانات موجود ہیں۔ حنفی علماء ان گنجائشوں کو حسب ضرورت استعمال بھی کرتے رہے ہیں

۔مثلاً چہرے کے پردے کے مسئلہ میں حنفی مسلک کا اصل فتویٰ استحباب کا ہے ۔لیکن زمانہ کے حالات اور فتنوں کے مدّنظر سارے ہی حنفی علماء اور ادارے چہرے کے پردہ کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔یہی معاملہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کا ہے۔حنفی مسلک میں گستاخ کی اصل سزا قتل نہیں لیکن اس معاملہ میں حنفی علماء امام ابن تیمیہ کے فتویٰ کی موافقت کرتے ہیں ۔اسباب فسخ نکاح کے معاملہ میں حنفی فقہ کا دامن دیگر فقہی مسالک کی بنسبت بہت تنگ ہے۔ لیکن جب حنفی مسلک میں فسخ نکاح کے دشوار ہونے کی وجہ سے مسلمان عورتیں ارتداد کے راستہ پر جانے لگیں تو حنفی مسلک کے بزرگ عالم دین مولانا اشرف علی تھانوی نے مسلکی کشادگی دکھاتے ہوئے اس مسئلہ میں حرمین کے مالکی مفتیان سے فتوے طلب کیے پھر ان فتووں کو مرتب کرکے ملک کے طول وعرض میں علماء کو بھیجے اور تائید وتوثیق کے بعد ان فتووں کا الحیلۃ الناجزہ للحیلۃ العاجزہ کے نام سے شائع کروایا۔یوں فقہ مالکی کے فتووں کا وقت کی مصلحتوں کے پیش نظر فقہ حنفی میں امپورٹ کیا گیا۔

ملک کے حنفی علماء بالخصوص مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داران کو غور کرنا چاہیے کہ کیا حالات آج بالکل اسی رخ پر بلکہ اس سے زیادہ خطرناک سطح پر جا پہنچے ہیں جن کا سامنا اپنے دور میں مولانا اشرف علی تھانوی کو تھا۔اگر وقت کی مصلحتوں کے پیش نظر اس وقت مسلکی فیصلے تبدیل کیے جاسکتے تھے اس وقت اس تبدیلی ضرورت اورزیادہ ہے۔

کیا دین کا تقاضہ، وقت کی مصلحتیں، تین طلاق کے حکم پر تباہ ہو رہے گھر، حلالہ کے نام پر لوٹی جارہی عزتیں بدنام ہو رہا اسلام سب کچھ آپ کو گوارا ہے لیکن اپنی مسلکی ضد چھوڑنا گوارا نہیں۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ نے 15 / اپریل کو لکھنؤ میں ہونے والی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں حکم نامہ جاری کیا ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے ایک مجلس میں تین طلاق دینے والوں کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے ۔بورڈ کا یہ فیصلہ بورڈ کے ذمہ داران کی زمینی حقائق سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ پہلا سوال تو اس فیصلہ پر یہی اٹھتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق بدعت ہیں ۔کسی شوہر کو ایسی کون سی مجبوری لاحق ہوسکتی ہے کہ وہ ایک طلاق دے کر اپنی بیوی کو فارغ نہیں کرسکتا ہے اور تین طلاق دینا اس کے لیے ناگزیر مجبوری بن جاتا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ ہے کہ اس بائیکاٹ کے حدود، ضوابط اور مدت کیا ہوگی؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ بائیکاٹ کی اس سزا کا نفاذ عملاً کتنا ممکن ہے؟ کیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے احکام کو مسلم سماج میں حقیقتاً اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اس کے حکم پر لوگ اپنے علاقہ ، رشتہ اور گھر کے فرد کے بائیکاٹ پر تیار ہوجائیں گے؟

تین طلاق کے مسئلہ کو دین سے زیادہ اپنی فقہی انا کا مسئلہ بنا گیا ہے۔حنفی علماء کو اندیشہ ہے کہ انہوں متعصب تقلید کے جس باندھ سے باندھ کر اپنے عوام کو گھیر رکھا ہے اگر تین طلاق کے مسئلہ میں قرآن وسنّت کے حکم کے آگے اپنے مسلک کے ہتھیار ڈال دیے تو تقلید کا یہ باندھ ٹوٹ جائے گا اور یہ مسلک اتّباع کے مقابلہ میں مسلک تقلید کی شکست ہوگی۔دین بہت عظیم ہے۔ وہ کسی مسلک کی ڈبیا میں بند نہیں کیا جاسکتا۔اگر وقت کی حکومت کو دین میں دخل اندازی کی اجازت نہیں تو یہ اجازت کسی مسلک کے لیے بھی نہیں ہونی چاہیے ۔اس وقت ہندستان کے مسلمان تاریخ کے بہت اہم موڑ پر کھڑے ہیں ۔یہاں سرزد ہونے والی لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا کا سبب بن سکتی ہے ۔۔بورڈ کو کسی ایک مسلک کا نہیں پوری ملّت کا نمائندہ ہونا چاہیے۔

❖ ❖ ❖

مسائل شرعیہ

فقہ وفتاویٰ

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سوال: تقدیر کی کئی قسمیں ہیں، دلائل سے وضاحت کریں؟

جواب: شرعی اعتبار سے تقدیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) تقدیر عام (۲) تقدیر مفصل۔

(۱) تقدیر عام: وہ تقدیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر تمام مخلوقات بلکہ پوری کائنات کے سلسلے میں قیامت تک کے لئے لوح محفوظ میں سب کچھ تحریر فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''إنّ أول ما خلق الله القلم، فقال له: اكتب، قال: رب وماذا أكتب؟، قال: اكتب مقادير كل شيء حتى تقوم الساعة'' کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور کہا کہ تو لکھ، قلم نے کہا کہ کیا لکھوں فرمایا کہ قیامت تک ہر چیز کی تقدیر کو لکھ۔ (سنن ابی داؤد، رقم: ۴۷۰۰ بسند صحیح)

(۲) تقدیر مفصل: اس سے مراد وہ تقدیر ہے جس میں پہلی قسم یعنی تقدیر عام کی تفصیلات لکھی گئی ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) تقدیر عمری: یعنی وہ تقدیر جس میں انسان کی پوری عمر کے بارے میں تقدیر لکھی گئی ہے۔ کہ اس کی روزی، عمل، اور موت نیز شقاوت وسعادتمندی کے بارے میں فیصلہ کر دیا گیا ہے اور اسے لکھ دیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بچہ مادر رحم میں اللہ کی قدرت سے وجود میں آتا ہے تو چار ماہ پورے ہونے کے بعد ایک فرشتہ آتا ہے اور اس میں روح (جان) ڈالتا ہے: ''فيكتب رزقه و اجله وعمله وشقى او سعيد'' تو اس کی روزی، موت، اس کا عمل اور اس کا انجام بد بخت ہوگا یا سعادتمند ہوگا سب لکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم: ۳۲۰۸)

گویا کہ پیدائش کے وقت تفصیلی طور پر پوری عمر کے بارے میں اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔

(ب) تقدیر حولی یا سنوی: یعنی سال بھر کی تقدیر جس میں سال بھر رونما ہونے والے وقائع کو لکھا جاتا ہے جیسا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: (فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ) (الدخان: ۴) کہ اس رات ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے جس میں سال بھر کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔ اور یہی تفسیر ابن عباس اور دیگر مفسرین سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۲) تقدیر یومی: یعنی روزانہ کی تقدیر اللہ تعالیٰ ہر روز انسان کی موت، زندگی، عزت، ذلت اور ہر چیز کے بارے میں فیصلہ فرماتا ہے جیسا کہ سورۂ رحمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) کہ ہر روز رب العالمین ایک شان میں ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر روز مالدار کو فقیر، فقیر کو مالدار، مریض کو شفایاب اور صحتمند کو مریض اور اس کے علاوہ دیگر فیصلے فرماتا ہے۔ اور یہ روزانہ ہوتا ہے۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ ذکر کردہ تقدیر کی تمام قسموں پر ایمان رکھے اور اللہ کے فیصلے سے راضی برضا رہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۸ پر)

جماعتی خبریں

دفتر صوبائی جمعیت

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا اجتماع:

----- مرکزی عناوین -----

رقیہ کیا ہے اور اس کا شرعی طریقہ

رقیہ کو پیشہ و حرفت بنانا

رقیہ مراکز قائم کرنا یا سینٹر کھولنا

بتاریخ ۲۳/ ۴/ ۲۰۱۷ء ممبئی و اطراف کے معروف اہل علم کا صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے دفتر میں اجتماع ہوا جس میں رقیہ مروجہ اور اس کے لئے سینٹر کے قیام کے تعلق سے گفتگو اور بات چیت ہوئی۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر شیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ نے اجتماع میں کہا کہ رقیہ کے مراکز اور سینٹر قائم کرنا چاہیں پیشہ بنا کر ہو یا بنا پیسے لئے، کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے نائب امیر شیخ محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ نے اجتماع کے مقصد کو بتاتے ہوئے بڑے ہی کھلے لفظوں میں یہ وضاحت کی کہ یہاں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ دلائل کی روشنی میں، جذبات سے بالاتر ہو کر امت کی خیر خواہی میں کی گئی ہیں، پھر میں اپنی بات کو دوہرا رہا ہوں کہ یہ مشن کسی خاص آدمی، کسی خاص سینٹر کے خلاف نہیں ہے، یہ عام مفاسد عام منکرات کے خلاف ہے۔ اسی لئے جو بزرگ حضرات بھی اس کو شخصی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں میری ان سے بہت مؤدبانہ درخواست ہے کہ للہ فی اللہ آپ لوگ اس کو شخصی رخ نہ دیجئے، کیونکہ اس سے مفاسد پیچھے چلے جائیں گے اور شخصی اختلاف سے شیطان فائدہ اٹھائے گا، اگر کوئی علمی دلائل کی بنیاد پر اختلافِ رائے رکھتا ہے، رقیہ سینٹر کو جائز قرار دیتا ہے تو اس کو حق ہے کہ اپنی رائے رکھے لیکن پھر بھی میری ان سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ رقیہ سینٹر کے جو مفاسد ہیں ان کا وہ تفصیلی جائزہ لے لیں، اور مفاسد کے سلسلے میں کھلی ہوئی نصیحتیں کریں، اجمالی گفتگو نہ کریں۔

اس کے علاوہ اجتماع میں جو نکات علماء کرام نے پیش کئے ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ''رقیہ شرعیہ'' یہ ہے کہ کتاب و سنت میں وارد دعاؤں کو مرض سے شفاء کی غرض سے پڑھ کر تکلیف اور دکھ دور کی جگہ پر دم کیا جائے۔

(۲) ''رقیہ شرعیہ'' مشروع ہے، پیارے نبی ﷺ سے اس کا ثبوت موجود ہے۔

(۳) رقیہ شرعیہ نام ہے دعاؤں کا، جو عبادت ہے، جس میں اصل منع ہے یہاں تک کہ اس کا ثبوت کتاب و سنت سے حاصل ہو۔

(۴) عبادات میں جنس، سبب، زمان اور مکان کے ساتھ مقدار و کیفیت میں شریعت کا ثبوت ضروری ہے۔

(۵) سلفِ صالحین (صحابہ اور تابعین وغیرہ) کے عہد میں متعدد انواع کے امراض منتشر تھے، حاجات اور تقاضے رائج سینٹر کے قیام کی متقاضی تھے، مگر پھر بھی نہ تو سلفِ صالحین نے اس امر کے لئے تفرغ حاصل کیا، نہ ہی اس کے لئے سینٹر قائم کیا، یہ دراصل سنتِ ترکیہ ہے جس کی تفصیل علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں کی ہے۔

(۶) موجودہ دور میں رائج رقیہ سینٹر کے متعدد مفاسد اور نقصانات ہیں:

۱۔ عقدی مفاسد: رقیہ کرنے والے شخص پر شفاء کی امید موقوف ہو کر رہ جاتی ہے۔ جبکہ اللہ کے علاوہ کسی اور پر توکل اور اعتماد عقیدہ میں خلل کا نمونہ ہے جس سے پورے طور پر اجتناب ضروری ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اس کے بے شمار نمونے

پائے جاتے ہیں: نبی کی قبر کو دیگر قبروں کے ساتھ موہوم کر دینا، درخت کو کاٹ دینا، حضرت خالد بن ولید کو معزول کر دینا وغیرہ۔

ب۔ عزت ہتک وناموس: رقیہ خواتین کی عزت وناموس کی ہتک کا ذریعہ اور سبب بن کر متعدد مفاسد کا پیش خیمہ ثابت ہو رہی ہیں۔

باطل طریقوں سے مال ودولت کا ہڑپ کر لینا:

رقیہ کرنے والے شخص کا دوسروں کے مال ودولت کو متعدد وجوہ سے ہڑپ کر لینا ایک عام سی بات ہو چکی ہے۔

ان جیسے متعدد مفاسد اور نقصانات ہیں جن کی بنیاد پر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مروجہ رقیہ طریقہ، اور اس کے لئے سینٹرز قائم کرنا ایسا عمل ہے جس پر سلف کا عمل نہیں، اور اس کے بدعت ہونے میں شک اور شبہ نہیں۔ واللہ أعلم۔

- عبید الرحمن بن محمد حنیف 23/4/2017
- عبد المعز
- عبد الحکیم المدنی
- انصار زبیر محمدی
- محمد رحیم مکی رابو
- عنایت اللہ سنابلی
- شہزاد خالد جمیل مکی
- عبد السلام سلفی
- محمد مقیم فیضی

جمعیت کے علماء ودعاۃ کی دعوتی سرگرمیاں:

شیخ عبد السلام سلفی -حفظہ اللہ- (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی) کی صدارت میں 22-23/اپریل کو گونڈوی میں "تعمیر ملک وملت کانفرنس" ہوئی، آپ نے اس میں صدارتی خطاب کیا، 30/اپریل کو آپ نے جامعہ رحمانیہ کاندیولی (ممبئی) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی "مقام صحیحین کانفرنس" میں (بوقت صبح) خطاب کیا، 30/اپریل ہی کو آپ کی صدارت میں کھیڈ، ضلع رتنا گیری میں "صدائے انصاف کانفرنس" ہوئی۔

شیخ محمد مقیم فیضی -حفظہ اللہ- نے 5/اپریل کو مسجد اہل حدیث فوزیہ ہاسپٹل، عرب گلی، ناگپاڑہ (ممبئی) میں تقریر کی، 7/اپریل کو مرکز الامام بخاری تلولی کے سالانہ اجلاس میں آپ کا صدارتی خطاب ہوا، 8/اپریل کو نالاسوپارہ میں ضلعی جمعیت اہل حدیث پالگھر کے زیر اہتمام ضلعی جمعیت پالگھر کے دفتر کے افتتاح کے موقع پر ہونے والے اجتماع میں "جماعتی نظام کی اہمیت" پر آپ نے روشنی ڈالی، 12/اپریل کو پونہ میں بموضوع "سات ہلاک کرنے والی چیزیں" آپ نے خطاب کیا، 15/اپریل کو آپ کا خطاب ماہم کی مسجد محمدی میں بعنوان "ایمانی کمزوری - اسباب وعلاج -" ہوا، 16/اپریل کو مسجد ومدرسہ کلیہ ام سلمہ، اشوک نگر (کرلا) میں آپ کا صدارتی خطاب ہوا اور 25/اپریل کو الہاس نگر - 5 نمبر - کے مسجد ومدرسہ اہل حدیث کے سالانہ اجلاس میں آپ نے "اولاد کی تربیت، ایک اہم ذمہ داری اور اس کے فوائد" کے موضوع پر خطاب کیا۔

شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی -حفظہ اللہ- نے 2/اپریل کو (صبح) شموگہ (کرناٹکا) میں مسجد ومدرسہ دار القرآن میں "ہندستان میں دینی مدارس کی اہمیت وفضیلت" کے موضوع پر تقریر کی اور اسی دن بعد نماز مغرب جمعیت اہل حدیث ہبلی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی "عظمت صحابہ کانفرس" میں دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے موضوع پر آپ کا خطاب عام ہوا، 9/اپریل کو آپ نے پونہ کی مسجد اہل حدیث میں تفسیر سورۃ النازعات بیان کی، 11/اپریل کو فوزیہ ہاسپٹل، عرب گلی (ناگپاڑہ، ممبئی) میں آپ نے تقریر کی، 15/اپریل کو لمبنی (نیپال) کی اصلاح معاشرہ کانفرنس میں آپ کا خطاب عام ہوا اور 22/اپریل کو بھونڈی کی جامع مسجد اسماء کے سالانہ اجلاس میں آپ نے بعنوان "علماء سے تعلق کی اہمیت" خطاب کیا۔

شیخ سرفراز فیضی -حفظہ اللہ- نے 2/اپریل کو مسجد حمزہ ملاڈ

(ایسٹ) میں خطاب کیا اور 8/اپریل کو مسجد و مدرسہ دار القرآن والسنۃ، چیمبور میں آپ کی تقریر ہوئی۔

شیخ کمال الدین سنابلی -حفظہ اللہ- نے 1/اپریل کو مومن پورہ (ممبئی) کی جامع مسجد اہل حدیث میں بعد نماز عشاء "فضائل عشرہ مبشرہ" کے موضوع پر خطاب کیا، اسی دن مذکورہ خطاب کے بعد مسجد کے باہر محلے میں بچوں کے لیے خصوصی پروگرام میں "سورۃ العصر" کا ترجمہ ومختصر تفسیر بیان کی، 7/اپریل کو نالاسوپارہ میں شکر محلہ کی مسجد میں "مسجد کے آداب" پر تقریر کی، 9/اپریل کو آپ نے کپاڑیا نگر (کرلا) کے "مدرسہ زید بن ثابت لتحفیظ القرآن الکریم" میں طلباء کی سالانہ انجمن میں حکم کے فرائض انجام دیے، 15/اپریل کو مسجد عمر (نارائن نگر، کرلا) میں تقریر کی، 16/اپریل کو مسجد و مدرسہ کلیہ ام سلمہ (اشوک نگر، کرلا) میں خطاب کیا، 23/اپریل کو مسجد اہل حدیث مسلم نگر (دھاراوی) میں آپ کا خطاب ہوا، 25/اپریل کو کالینا کی مسجد اہل حدیث (کرلا) میں بعد نماز مغرب "فوت شدہ بزرگوں سے مانگنے والوں کے بعض شبہات کا ازالہ" کے موضوع پر درس دیا اور 25/اپریل ہی کو بعد نماز عشاء مسجد اہل حدیث فیت والا کمپاؤنڈ (کرلا ویسٹ) میں "سورہ نوح کی تفسیر" بیان کی، 29/اپریل کو آپ نے ٹیگور گارڈن وکھرولی کی مسجد اہل حدیث میں تقریر کی۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث پال گھر کی جماعتی ودعوتی سرگرمیاں:

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے دستور جمعیت کی روشنی میں نو تشکیل شدہ ضلع پال گھر کو ایک ضلعی جمعیت کی حیثیت سے منظوری دی ہے۔ جو ضلعی جمعیت اہل حدیث پال گھر کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس میں درج ذیل حلقے شامل ہیں: وسئی ویرار کارپوریشن اور اس کے تمام حلقے، میرا بھائندر کارپوریشن اور اس کے تمام حلقے، بوئیسر اور پال گھر کے تمام حلقے اور ضلع پال گھر کے دیگر مواصفاتی علاقے جہاں افراد جماعت موجود ہیں۔ الحمدللہ کئی مہینوں کی محنت کے بعد مقامی حلقوں کی تشکیل ہوئی اور ضلعی اراکین شوریٰ منتخب ہوئے۔ اور اس کے بعد ۱۵/جنوری ۲۰۱۷ء کو صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی نگرانی میں منتخب اراکین شوری کی ایک اہم میٹنگ مسجد اہل حدیث و مدرسہ رحمانیہ تلنج ناکہ نالہ سوپارہ میں منعقد کی گئی جس مین بطور مشاہد شیخ محمد مقیم فیضی/حفظہ اللہ نگراں شعبہ تنظیم صوبائی جمعیت ونائب امیر بنفس نفیس حاضر تھے۔ اور آپ کی نگرانی میں درج ذیل عہدیداران باتفاق رائے منتخب قرار پائے۔(۱) شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (امیر) (۲) شیخ محمد فاروق عمری (ناظم) (۳) مظہر بھائی (نائب امیر) (۴) مولانا ابوبکر سلفی (نائب امیر) (۵) ذکی چاورے (نائب ناظم) (۶) مولانا سیف الرحمن سلفی (نائب ناظم) (۷) مدثر خان (خازن)۔

ضلعی جمعیت کی تشکیل کے بعد ارکان عاملہ وشوریٰ کے مشوروں سے بحمد اللہ پورے ضلع میں دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے: **اجلاس عام:** پورے ضلع میں اب تک ۵/اجلاس عام ہوچکے ہیں (۱) سائے ولی ۱۰/فروری ۲۰۱۷ء، (۲) تلنج ناکہ ۲۶/فروری ۲۰۱۷ء، (۳) بوئیسر ۲۵/مارچ ۲۰۱۷ء، (۴) ارقم کمپاؤنڈ ۸/اپریل ۲۰۱۷ء، (۵) ۲۸/اپریل ۲۰۱۷ء دھانو باغ۔

دعوتی وتنظیمی دورے اور ملاقاتیں: جماعتی رابطہ کی مضبوطی اور تمام حلقوں میں دعوتی سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لئے ہفتہ واری دروس اور تنظیمی و دعوتی دورے جاری ہیں جس کے لئے منگل کا دن خاص کیا گیا ہے۔ اب تک نالہ سوپارہ ویسٹ شکر محلہ سنتوش بھون، دھانو باغ، ارقم کمپاؤنڈ واکن پاڑہ، امن نگر، وسئی پھاٹا، دھمال نگر، ساتیولی چنچ پاڑہ، فادرواڑی، کامن گاؤں، بوئیسر اور پال گھر کے دورے، دروس اور ملاقاتیں ہوچکی ہیں اور مزید رابطے جاری ہیں۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث کے صدر دفتر کا قیام: الحمدللہ ضلع کے لئے صدر دفتر کا قیام عمل میں آچکا ہے، اور آفس کا افتتاح ۸/اپریل بروز سنیچر ایک اجلاس عام میں ہوچکا ہے۔ اختتامی تقریب میں صوبائی جمعیت کے امیر محترم مولانا عبدالسلام سلفی، نائب امراء شیخ محمد مقیم فیضی، شیخ الطاف حسین فیضی، عبدالحمید بھائی اور دیگر ائمہ مساجد و ارباب جماعت شریک مجلس تھے۔ آفس کا پتہ صدر دفتر ضلعی جمعیت اہل حدیث ارقم کمپاؤنڈ نزد لمراء اسکول واکن پاڑہ نالہ سوپارہ ایسٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور نیک عمل کی توفیق دے۔ (دفتر ضلعی جمعیت اہل حدیث پال گھر)

❖ ❖ ❖

حلقۂ ادب

ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!

عبدالواحد انور یوسفی الاثری

دین خالص سے ہم ہیں وابستہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!
بزم عالم میں عام ہے چرچا ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!

حاملین کتاب وسنت ہیں باعمل اور بابصیرت ہیں
بہر عالم عظیم نعمت ہیں ہم تو ہر دور کی ضرورت ہیں

نسخہ لے لو فلاح عقبیٰ کا ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!
دین خالص سے ہم ہیں وابستہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!

دین خالص کو ہر ملاوٹ سے ہم نے ہر دور میں بچایا ہے
کارنامے سلف کے روشن ہیں کوڑے کھائے ہیں سر کٹایا ہے

ہم خلف ہیں سلف پہ ہیں شیدا ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!
دین خالص سے ہم ہیں وابستہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!

رب کا احسان وفضل ہے ہم پر ہم ہیں مفاد دینِ رحمت کے
متحد ہیں کتاب وسنت پر ہم نہیں کرتے دین کے ٹکڑے

فرقہ بندی سے رب نے ہے روکا ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!
دین خالص سے ہم ہیں وابستہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!

لن تَضِلُّوْا، نبی کا ہے مژدہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!
دین خالص سے ہم ہیں وابستہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!

اتباع قرآن وسنت کا ہم ہیں پرچم فضا میں لہراتے
تھے سلف صالحین جس رہ پر ہم بھی خود کو اسی پہ ہیں پاتے

سمع و طاعت کا ہم میں ہے جذبہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!
دین خالص سے ہم ہیں وابستہ ہم ہیں اہل الحدیث اے لوگو!

کرتے ہیں ہم نکیر منکر پر شرک وبدعت سے دور رہتے ہیں
شاہراہِ بہشت پر انورؔ ہم بھی چلنے میں چور رہتے ہیں

(بقیہ صفحہ ۴۳ کا)

سوال: کیا دعا سے تقدیر پلٹ جاتی ہے اور اگر پلٹ جاتی ہے تو تقدیر لکھے جانے کا مطلب کیا ہے؟ واضح کریں؟

جواب: تقدیر لکھی جا چکی ہے اور دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے یہ دونوں باتیں احادیث نبویہ سے ثابت ہیں چنانچہ ان دونوں حدیثوں کے مفہوم اور معنی کو سمجھنے کیلئے شراح حدیث نے یہ وضاحت کی ہیں کہ دراصل تقدیر دو طرح کی ہوتی ہیں۔ (۱) تقدیر مبرم (۲) تقدیر معلق۔

تقدیر مبرم: یہ اللہ کا وہ محکم فیصلہ ہے جسے ازل میں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اور جس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے چنانچہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی جیسا کہ تقدیر لکھے جانے والی بے شمار حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے۔

تقدیر معلق: یہ ہے جسے تقدیر لکھنے والے فرشتوں نے اللہ کے حکم سے لوح محفوظ سے دوسرے صحیفوں میں لکھ لیا ہے اور اس میں ردوبدل ممکن ہے فرمان باری ہے (يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ) (الرعد:۳۹)

ترجمہ: اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔

اور حدیث ''لا یرد القدر الا الدعاء'' کا تعلق دوسری قسم یعنی تقدیر معلق سے ہے گویا اللہ تعالیٰ نے بعض امور کو اسباب سے جوڑ دیا ہے اور معلق کر دیا ہے جب سبب وجود میں آئیگا تو وہ مسبّب پورا ہو جائیگا۔ اور دعا بھی ایک سبب ہے۔ بنابریں ہمیں تقدیر پر ایمان رکھتے ہوئے رب العالمین سے دعاؤں کے واسطے رجوع کرتے رہنا چاہئے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوی ابن تیمیہ: ۴۸۸/۱۴) ❖ ❖ ❖

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
May 2017

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمدللہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کر رہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

- ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈبل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- ہر ماہ الجماعہ کی اشاعت۔
- مفت کتابوں کی تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

Published by :
SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com